كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ

تعمیرِ نو

از
میرزا عبداللہ انور بیگ ایم اے ایڈووکیٹ
ہائی کورٹ لاہور

المنار اکادمی - لاہور

قیمت ایک روپیہ بارہ آنہ

تعداد اشاعت ایک ہزار

بار دوم

جنوری سنہ ۱۹۴۷ء

ایم حمید اللہ خان منیجر المنار اکادمی نے کوآپریٹو کیپٹل پرنٹنگ پریس لاہور سے شائع کی۔

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

دیباچہ

عہد حاضر میں جب کہ قوائے عالم ایک خاص قسم کے تغیر کی طرف مائل ہیں اور اقوام سیاسی اور اقتصادی تغلب میں کوشاں ہیں جوع الارض نے ایک متعدی مرض کی صورت اختیار کر لی ہے۔ نظام کہن کو بیرحمی کیساتھ چکنا چور کیا جا رہا ہے۔ دوائر مجلسی بے پناہ انقلاب کے زیر اثر ہیں۔ فکر انسانی کو نئی تشکیل دی جا رہی ہے۔ سائنس اور مشین سے بحر و بر کو مفتوح کیا جا رہا ہے۔ روئے زمین پر مختلف اقوام کیلئے مختلف قسم کے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ ان حالات میں ہندوستان بین الاقوامی اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتا چنانچہ ہندوستانی سیاست ایک خاص دور میں سے گذر رہی ہے اور ہند اسلامی کے روز افزوں مسائل حیاتیہ مفکرین اسلام کو دعوت فکر دے رہے ہیں ترک اپنے گھر کی فکر میں ہیں، مصری اپنی مشکلات کے حل کرنے میں کوشاں ہیں عراق و عرب ایران و افغانستان سنبھل رہے ہیں مگر مسلمانان ہند جن حالات اور ذہنی کشمکش میں مصروف و محصور ہیں اُن سے ہر لحظہ اسلام کے لیے تشویش کا امکان ہے۔

انتہائی بدقسمتی کا مقام ہے کہ گذشتہ مختصر سے عرصے میں ہمارے کئی ایک رفیع المرتبت رہنما، مفکر یکے بعد دیگرے ہمیں داغ مفارقت دے گئے ہیں ان محبوب ہستیوں کے اٹھ جانے سے جو خلا واقع ہوا ہے اس کو پُر کرنے کیلیے نژاد نو کو اس احساس کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیئے کہ ہند اسلامی کی مشکلات کا حل بلند فطرت بلند فکر اور شاہین نگاہ نوجوان طبقہ سے وابستہ ہے +

فی زمانہ جب کہ قومیں عجیب و غریب خواب دیکھ رہی ہیں اہل نظر کیلیے افتادِ واقعات مستقبل کا حکم رکھتے ہیں، ضرورت وقت کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے آئندہ چند صفحات میں قصر اسلامی کی از سرِ نو تعمیر کے اصول کو اُف پیش کرنیکی جرأت کی ہے جا بجا شوکت اسلامیہ کے وجوہ زوال پر بھی روشنی ڈالی ہے نیز یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اسلامی جاہ و جلال کے دوبارہ حصول کے کہاں تک امکانات ہیں؟ دنیائے اسلام موجودہ پر آشوب دور کی عالمگیر قوتوں کا کیونکر سامنا کرے؟ احیائے اسلام کیلیے کونسے خطوط پر اقدام کرنا چاہیئے؟ بحث و تمحیص کے دوران میں مسلمانان ہند کے مسائل و ماحول کو خاص طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے +

لاہور
بہار، ۱۹۳۸ء

عبداللہ انور بیگ

میں روح کی وضاحت یوں کی گئی ہے قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔

انسانی دنیا کے قوائے نہاں کے ادراک کے لیے نظام انسانیت کو ایک کل تصور کرنا چاہیئے خَلْقُکُمْ وَبَعْثُکُمْ کَنَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ۔ انسانی قسمت باقی دنیا سے معلق رہتی ہے۔ انسانی کائنات وراثت اور ماحول کی مرہون منت ہے۔ انسان کو عہد ماضی سے علیحدہ تصور نہیں کیا سکتا نظام عالم ایک حقیقت عظمیٰ ہے اور اس کے دائرہ میں بود و نبود تغیر سے ہے اس میں کوئی غلطی نہیں، اس کی ساخت صحیح ہے۔ ہم واقعات کو سمجھنے کے لیے اضافیت سے کام لیتے ہیں، نیک و بد ہمارے فکر کی تراش ہے قوائے عالم باقتضائے فطرت سرگرم عمل رہتے ہیں اور ان کی غرض کسی کی خوشی یا ناراضگی نہیں۔ نظام انسانیت کے قوا فرد و جماعت کے تعلقات سے پیچیدہ ہو جاتے ہیں جن سے نظام مجلسی ارتقا پذیر ہوتا ہے۔ مجلسی قوانین کا نفاذ فطری اقتضا سے ہے، یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسان کے فطری محرکات نظام مجلسی کو حرکت میں لاتے ہیں۔ انسان کا یہی خاصہ معاشرت قصر مجلس انسانی کا قاعدہ ہے جس کی عظیم الشان عمارت اندرونی پیچ در پیچ تخریبی قوتوں کے باہمی عمل سے متزلزل ہو کر پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔

مجلس انسانی کے دو جز ہیں ایک فرد دوسرا جماعت، فرد اپنی ایک دنیا رکھتا ہے جس کا تحفظ فرد کے لیے لازم ہے۔ جماعت ایک دوسری دنیا رکھتی ہے جس کے تحفظ کی ابتدا فرد سے ہے مگر اس کی ذمہ داری جماعت پر ہے لیکن فرد جماعت کے زیر اثر فنا بھی ہو سکتا ہے، سیاسیات

ہیں فرد کی بقا کو چنداں اہمیت نہیں اور نہ ہی فرد کے تحفظ کے لیے اس قدر تگ و دو کی جاتی ہے، سیاسی نجاح کے لیے جماعت کا اقتدار و تحفظ پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ مذہب اولاً فرد اور بعد ازاں جماعت کا تحفظ چاہتا ہے کیونکہ مذہب زندگی کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھتا ہے اور سیاست انسانی سرگرمیوں کے ایک شعبہ سے متعلق ہے۔ بدقسمتی سے موجودہ زمانے میں یہ سمجھا جا رہا ہے کہ مذہب کو سیاسیات سے کوئی دخل نہیں کیونکہ مذہب کو محض فرد سے تعلق ہے اور سیاسیات کو جماعت سے حالانکہ مذہب فرد اور جماعت دونوں کا محافظ ہے کیونکہ جماعت کا نقطۂ اولیٰ فرد ہے اور فرد بغیر جماعت کا تصور کالعدم ہے۔ مذہب ایک کل ہے اور سیاسیات جزوی حیثیت سے اس کے تابع ہیں کیونکہ زندگی کے مختلف پہلو ایک ہی تصویر کو پیش کرتے ہیں کسی ایک پہلو کو کل تصور نہیں کیا جا سکتا، مذہب صحیح معنی میں حقیقت کبریٰ کا ترجمان ہے اور جب دنیائے انساں کے مذہب عمومی کا نام لیا جاتا ہے تو اصولاً اس سے مراد اسلام ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (اللہ کے نزدیک دین برگزیدہ اسلام ہی ہے)

نظام عالم میں انقلابی قوتیں صبح و شام تعمیر و تخریب میں مصروف رہتی ہیں۔ ایک عرصہ کے بعد کسی مکان کی شکست و ریخت چنداں تعجب انگیز نہیں مادی اشیا اس قسم کی ظاہری تعمیر و تخریب کی خاصیت رکھتی ہیں لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کی تعمیر و تخریب کو قصر مجلس انسانی میں کہاں تک دخل ہے۔ معمولی غور و فکر سے معلوم ہوگا کہ شعوب انسانی کو مکانات سے ایک گونہ نسبت ہے،

لیکن دونوں صورتوں میں بنیادی فرق ہے، مکانات مادی اشیا ہیں۔ اور غیر ذی حس اشیا کی طرح نشوونما سے عاری ہیں۔ مجالس انسانی میں زندگی ارتقا سے متصف ہے انسانی دنیا ایک جسم ہے جیسے جسد انسانی میں طبیعت فاعل اور اور مادہ منفعل ہے ویسے ہی انسانی جماعت ایک ذی روح جسم ہے اس کے اجتماعی امور کا صادر ہونا طبع انسانی کے تابع ہے۔ اور تعمیر و تخریب کے منازل ایک زندہ جسم کی طرح طے کئے جاتے ہیں۔ ان کے دور بلندی و تسفل میں ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہیں بلندی اور تسفل کے اوقات کے طول میں ایک دوسرے سے فرق ہو سکتا ہے۔ اس قسم کی کشمکش میں افراد مٹتے اور ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ انسانی جماعتیں زمانۂ ماضی کی خصوصیات سے جغرافیائی تبدیلیوں کے زیر اثر علیحدہ بھی ہوتی رہتی ہیں۔ بعض اوقات ان میں عجیب و غریب امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن سے جماعتی طور پہ جانبر ہونا مشکل ہو جاتا ہے اور بعض تو میں صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جاتی ہیں لیکن یہ امراض علاج پذیر ہو سکتے ہیں۔ بہر کیف نظام انسانی مستقل طور پہ واحد جماعت ہے۔ اس کے اندرونی تغیر و تبدل مجلسی نظام کو زیر و زبر کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ جماعت انسانی کا جسم عوارض سے متاثر ہوتا ہے اس لیے اس کی جماعتی فنا کا امکان ہے نیز اس کے زوال کے بعد ترقی کے امکانات کو بعینہٖ بقا ہے۔

مذکورہ بالا تمہیدی سطور کی روشنی میں ہم دنیائے اسلام پر نظر ڈالتے ہوئے اسلامی مجلس کے تعمیری و تخریبی مدارج پر غور و فکر کریں، تو معلوم ہو گا

کہ کم وبیش گزشتہ دو صدیوں سے بلاد اسلامیہ تخریبی منازل سے گزر رہے ہیں اور مسلمان بدستور خواب خرگوش میں پڑے ہوئے ہیں۔ ع

غافل این فرقہ کہ لاہور و دکن در خطر است

دنیائے اسلام کی ترقی کا راز صحت فکر یعنی قرآن پاک کی روشنی تھی تعلیم قرآنی کی بنیاد ایسے اصولوں پر تھی جن کا مجموعی نتیجہ انسانی ترقی تھا۔ منطقی بحث سے یہ بات واضح ہو گی کہ تعلیم قرآنی پر عمل پیرا ہونے سے مسلمان معراج کمال کو پہنچے لہذا وہ تمام اصول جن پر وہ عمل پیرا ہوئے فطری حقیقت کے علمبردار تھے۔ قرون آخری میں انہی اصولوں سے انحراف مسلمانوں کے زوال کی وجہ بنا۔ الغرض قرآن ایک حقیقت کبریٰ ہے اور اس کی تعلیم کلی وجزوی طور پر جن قوموں کی رہنمائی کرتی ہے اُسی قدر وہ ترقی کی راہ میں مسابقت کرتے ہیں۔ یہ کہنا مشکل ہو گا کہ آخری زمانے میں مسلمانوں کے پاس قرآن نہ تھا لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمان کا ذہن قرآن کے فہم سے قاصر رہا۔ قصور ذہن کی وجہ سے مرور اوقات اور اس کے ساتھ جغرافیائی تبدیلی اور جماعتی نظام کے تحفظ کے لیے ظواہر کی پابندی تھی، درآں حالیکہ طول زمان کے ساتھ نفس اجتماعی شعور ذہنی اور وحدت فکر کے تحفظ کی ضرورت تھی۔

مجلس انسانی کے قصر کی شکست و ریخت ایک مادی مکان سے کلی نسبت نہیں رکھتی بلکہ اس کی کیفیت ایک جماعتی جسم کی سی ہے جس میں گوناگوں اسباب کی بنا پر مختلف قسم کے پیچیدہ امراض رونما ہو چکے ہیں اس کی تشخیص علمی نظریات مشاہدہ و تجربہ پر مبنی اصولات کی روشنی میں ہونی چاہیئے جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر

چکے ہیں، خرابات کی اصلاح اُن کی از سرِ نو تعمیر کی مرہونِ منت ہے، لیکن جماعتی جسم کی تعمیر ایک زندہ جسم کی اصلاح ہے جس کیلئے اس کا کلی طور پر مسمار کرنا لازم نہیں آتا بلکہ اس کا علاج ایک خاص قسم کے تغیر کو پیدا کرنا ہے، تا کہ تمام جسم رُو بصحت ہو کر دوسری صحیح الجسم جماعتوں کے دوش بدوش نظامِ عالم میں اپنے فرائض کی ادائگی کے لیے جدوجہد کرے۔ مختصر یہ کہ دنیائے اسلام کا موجودہ زوال جماعتی عیوب کی وجہ سے ہے، اور شوکت اسلامیہ کے دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ان جماعتی عیوب کو دُور کرنا چاہیے۔

شوکت اسلامیہ کے دوبارہ حصول کے امکانات یقیناً قوی ہیں۔ اس امر کے یقین کی ضرورت ہے کہ قوت نکر انحطاط کے بعد عروج حاصل کر سکتی ہے اور جماعتی تنظیم کیلیے روح کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ دنیائے اسلام کے کسی مفکر بزرگ کے لیے آج سب سے بڑا سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ دنیائے اسلام موجودہ پُر آشوب دور کی عالمگیر قوتوں کا کیونکر سامنا کرے، نیز احیائے اسلام کے لیے کون سے خطوط پر اقدام کرنا چاہیے؟ یہاں پر ہم صرف اس قدر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ دنیائے اسلام کو اصولی طور پر عہد حاضر کی قوتوں سے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ اسلام حقیقت ازلی کا علمبردار ہے، اور زمانے کی کوئی قوت اس کو خائف نہیں کر سکتی اور نہ ہی اس کے لیے پیغام فنا ثابت ہو سکتی ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ مسلمان اگر اسلامی تعلیم سے منحرف ہو کر اپنے آپ کو مسلمان کہلائیں تو ان کے لیے روئے زمین پر کوئی گوشۂ عافیت نہیں چونکہ اسلام ان اصولوں کا نام ہے جن پر عمل کرنے سے ہی

انسان نظام کائنات میں محفوظ رہ سکتا ہے محض ان اصولوں کا زبانی اعتراف مصائب عالم کے مقابلہ میں سپر کا کام نہیں دے سکتا ہم پھر اس حقیقت کا اعادہ کرتے ہیں کہ اسلام حقائق اُخروی کا نام ہے، جو اضافی طور پر مختلف صورتیں اختیار کر لیتے ہیں اور نتیجہ کے طور پر انسان کی دینی و دنیوی نجات کے ذمہ دار ہیں، قرآن تعلیمات اسلام کا مجموعہ ہے، جس پر عمل کرنے والی اقوام ہر قسم کے مصائب سے محفوظ رہتی ہیں جب کسی قوم کو اس قسم کے دام مصائب میں پھنسا ہوا دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ لوگ تعلیم قرآنی سے کنارہ کش ہو چکے ہیں۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ قرآن واقعی ایک عام فہم کتاب ہے لیکن چونکہ قرآن ہر دو جہان کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے، لہٰذا اس کے بعض مسائل منکرین عالم کو دعوت فکر دیتے ہیں اس۔ یہ ضروری ہے کہ مطالب قرآنی کو واضح طور پر سمجھنے کی کوشش کی جائے اسی کوشش میں ہماری نجات کا راز مضمر ہے، اور اسی کوشش کی تکمیل سے مندرجہ بالا سوالوں کا جواب دیا جا سکتا ہے۔

قرآن دین و دنیا دونوں کی فلاح کا ضامن ہے ضرورت ہے کہ دین اور دنیوی ترقی پہلو بہ پہلو جاری رہے حقیقت میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو اس قسم کی تعلیم دنیا کے سامنے پیش کر سکا، ورنہ تمام مذاہب ایک یا دوسری صورت میں دنیا کو لاشے قرار دیتے رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مذاہب ایک وقت کے لیے جہالت کا دوسرا نام قرار پائے موجودہ دور کی مذہب سے بیزاری محض اسی وجہ سے ہے کہ اسلام کے سوا

تمام مذاہب عالم ایک یا دوسری صورت میں انسان کو دنیا سے علیحدہ رہنے کی تلقین کرتے ہیں جس سے لامحالہ نظام انسانی میں خلل آتا ہے، اور موجودہ دور میں اس قسم کی تعلیم کے لئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں جستجوئے حق کے لیئے موجودہ دور کی تشنگی کو محض اسلام بجھا سکتا ہے۔ کیونکہ اسلام ہی صرف ایک ایسا مذہب ہے، جو انسان کو ہر دو جہان سے مربوط رکھتا ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ دنیائے اسلام آہستہ آہستہ مفہوم قرآن سے دور جا پڑی، اور ان علوم دنیوی میں جن پر اسی دنیا کی ترقی کا راز ہے تفحص و تتبع چھوڑ بیٹھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی علوم جن کے حصول کی قرآن میں بے حد تاکید کی گئی تھی، گلدستہ طاق نسیاں بنا دیئے گئے۔ مغربی اقوام ان علوم کو لے کر اٹھیں تو مشرق و مغرب پر چھا گئیں۔ اور مسلمان ہیں کہ آج میراث پدر سے محروم ہیں جائے تاسف ہے کہ آج وہ مسلمان جن کے آباؤ اجداد نے ہسپانیہ سسلی، مصر، عرب، عراق و شام، ایران، خراسان اور ہند کے وسیع و عریض ممالک میں علوم و فنون کے چشمے بہا رکھے تھے، جہالت کی وجہ سے قعر مذلت میں پڑے ہوئے ہیں، شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بلاد اسلامیہ کی مصیبت عظمیٰ جہالت ہے۔ مذہبی، اخلاقی، جنسی اور دیگر متعلقہ مسائل کی اصلاح و تہذیب نفسی کے لیے ہمیں لمحات فکر ان کیلئے وقف کرنے چاہئیں لیکن مادی ترقی کے لیے ہمیں سائنس اور مشین کیطرف توجہ کرنی چاہیے موجودہ دور کی رونق سائنس اور مشین سے ہے۔ حقیقت میں موجودہ تہذیب کی بنیاد یہی دو چیزیں ہیں۔ اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ (حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے)

صحیح معنی میں سائنس کی پرورش عربوں کے علمی ذوق نے کی تعجب کا مقام ہے کہ آج ہم اپنے علوم وفنون سے ناآشنا ہیں، سائنس کی ایجادات از قسم مشین نے انسانی کائنات میں بے پناہ تغیر پیدا کر دیا ہے۔ تسخیر عالم کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے انہیں چیزوں کی طرف توجہ دلائی تھی، مگر افسوس کہ دنیائے اسلام اس شاہراہ سے منحرف ہو کر علمی سرگرمیوں کو جواب دے بیٹھی، اور ضرورت سے زیادہ یونانی علوم مثلاً منطق وفلسفہ سے رشتہ جوڑا، جس کے خوفناک ذہنی اور علمی نتائج ناگفتہ بہ ہیں۔ کسی شرعی کتب میں بیسویں صدی کے طلبہ کی ذہنی بلاغت کا تصور انسانی تو ہین ہے

ع چارپایئے بر او کتابے چند

(جمود وخمود کے جراثیم کی وہ فراوانی کہ الامان! جہالت کی وہ تاریکی کہ الحفیظ! کیا یہ وہ طفلان مکتب ہیں جن کے آبا نے ہسپانیہ میں موجودہ یورپ کے بزرگوں کو جدید علوم وفنون سے تعارف کرایا تھا؟ کیسے یقین آسکتا ہے۔؟

کاش ان مکتبوں میں تعلیمات قرآنی کے ساتھ پھر سے سائنس کی تعلیم دی جائے اور بتایا جائے کہ مشین نے کس طرح ایک عالم کو مسخر کر رکھا ہے! کیا طیارہ، ابدوز اور ٹینک جنات سے ہیں؟ گیس کیا بلا ہے؟ ریڈیو کیا طلسم ہے؟

کوئی قوم جہالت کی تاریکی میں پناہ گزین ہو کر زمانے کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔ حقیقت عظمیٰ یعنی مذہب کو جہالت کی چار دیواری میں محفوظ رکھنے کی کوشش نہ صرف بے سود بلکہ خدع نفس ہے۔ فروغ مذہب اور جہالت کی تاریکی دو متضاد چیزیں ہیں۔ ایک سے دوسرے کا فقدان لازم آتا

ہے، جماعتی اصلاح یا احیائے ملت کو آسان تر الفاظ میں تعمیر نو کے شاعرانہ تصور سے نسبت دی جا سکتی ہے۔ نظریۂ تعمیر کو ہمیں پورے طور سے ذہن نشین کر لینا چاہیے عہد حاضر میں مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ وہ اپنے حالات کا عملی طور پہ جائزہ لے کر صحیح خط تخیل کھینچیں جس پر انہیں یقین سے اقدام کرنا چاہیئے کسی تعمیری لائحہ عمل کے لیے لازم ہے کہ قدم اوّل تعمیر فکر کی جانب ہو۔ قرآن کی روشنی میں جدید ترین فلسفہ، سائنس کا مذہب سے تطابق، خدا کی ہستی، روح انسان، تہذیب اسلامی، اجتہاد وغیرہ مسائل فکریہ کو حل کرتے ہوئے موجودہ دور کے تہذیب و تمدن کی قیمتیں معلوم کرنے کی کوشش کریں کیونکہ جب تک ذہن انسانی کو دنیائے فکر میں قرار نہیں تو اس کی تمام مجلسی سرگرمیاں بے قراری کی آئینہ دار رہتی ہیں۔ چونکہ انسانی سرگرمیاں ایک کل کی حیثیت سے متصور ہو سکتی ہیں اس لیے جب تک ذہنی اور جسمی اعمال میں اتفاق و تطابق نہ ہو تو فرد کی سرگرمیاں منتشر ہو کر عدم کی راہ لیتی ہیں۔

تاریخ عالم اس بات پہ شاہد ہے کہ کامگار اقوام خاص قسم کے افکار و حوادث میں اعتماد نفسی اور ذہنی قرار ڈھونڈتی ہیں۔ ان کے محرکات ذہنی آزاد اُ نہ تگ و تاز میں ہر جہت میں قرار پاتے ہیں۔ اس کے برعکس ناکام و بدحال اقوام انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے ذہنی قرار سے محروم رہتی ہیں ان کی تمام سرگرمیاں کا نقطۂ بے یقینی سے آغاز ہوتا ہے اور انجام یاس و ناکامی، چنانچہ احیائے ملت کے لئے سب سے زیادہ ضروری تعمیر فکر ہے، جس کے تابع تعمیر مجلسی کا لائحہ عمل تجویز کیا جا سکتا ہے، کیونکہ مجلسی سرگرمی حقیقت میں انفرادی سرگرمی

کا دوسرا نام ہے۔ تعمیر مجلسی کے لیے اُن اصولوں کا جاننا ضروری ہے جن کے ماتحت جماعت کی معاشرت ارتقائی مدارج طے کرتی ہے۔ کیونکہ انسان کے فطری رجحانات کو ذہنیات میں ایک خاص دخل ہے۔ محرکات ذہنی انسانی سرگرمی کے نقاط اولیٰ ہیں، اور اُن کی نگہداشت اور پرورش میں انسانی ترقی کا راز پنہاں ہے۔ اور بے معنی طور پر ان محرکات کو روکنا یا پامال کرنا شہہ ب فطرت کے فطری تقاضے کو پامال کرنا ہے، جو کہ موت کا مترادف ہے جسطرح افراد ماحول و وراثت کے تاثرات میں پرورش پاتے ہیں، اسی طرح مجالس اصول نشوونما کے زیر اثر حرکت کرتی ہیں۔ روحانی اور ذہنی قوتیں مجلسی سرگرمیوں کی ند پردہ ذمہ دار ہیں۔ انسانی فطرت کی تکمیل کے لیے ہر فرد کا فرض ہے۔ کہ وہ اظہار ذات کیلئے ہر لحظہ تا بحد پیکار سرگرم رہے۔ نظام عالم میں ماحول ایک بے پناہ قوت ہے، اس کے زیر اثر ہر طرف تنازع للبقا ہے۔ ؏

دنیا نہ مقام گشت است نہ جائے نشست

بالخصوص عالم ذی روح موافقت پر مجبور ہے۔ ان سرگرمیوں کا نتیجہ بقائے اصلح ہے۔ تغیر حقیقت میں عالم کی جان ہے، اور اسی سے نظریہ ارتقا کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

بقائے اصلح کا ثمرت دنیا کے جہاد میں سخت کوشی کی عادت پر ہے، اور اس کی ارتقائی منزل العزم للقوۃ ہے، مجلسی افکار و معتقدات کا تغیر قوم کے لیے بدرجۂ غایت اہمیت رکھتا ہے، اور اس کے بعد سیاسی تغیر جس سے قوموں کے نشیب و فراز کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ سیاسی تغیر کی وجہ سے قوموں کے دیہاتوں

ہیں اور اتنیں دنوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ سیاسیات اور اقتصادیات کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ علم الاقتصاد کا آغاز تدبیر منزل سے ہے۔ امور سلطنت حقیقت میں ایک وسیع گھر کے معاملات کا حکم رکھتے ہیں کسی قوم کی اقتصادی کمزوری یقینی طور پر اس کی سیاسی سرگرمیوں پر اثر ڈالتی ہے خصوصاً موجودہ زمانے میں اقتصادی کمزوری اور سیاسی ناکامی لازم و ملزوم ہیں۔

ذہن انسانی کا اظہار کئی صورتوں میں ہوتا ہے۔ بالخصوص ادبیات و فنون میں جو کہ انسانی تہذیب و تمدن کے آئینہ دار ہوتے ہیں اور ان میں جماعتی رنگ کی جھلک پائی جاتی ہے تکمیل ذہن کے لیے لازم ہے۔ کہ ذہنی محرکات کو ضروری آزادی دی جائے۔ تاکہ فطرت انسانی کو اظہار ذات کا موقع مل سکے۔ بصورت دیگر نفسانی فطرت و ذہن پژمردہ ہو کر شکست کے معترف ہوتے ہیں۔ ادبیات و فنون کی ترقی کے لیئے تعمیری خطوط پر گامزن ہونا چاہیے، ورنہ ذہنی سرگرمیاں فضولیات کا تار و پود بن کر قوم کے دل و دماغ کو صدیوں تک اُلجھائے رکھتی ہیں جن سے رستگاری ایک عالمگیر انقلاب کے بغیر ناممکن ہے۔ باطل پرستی ذہن کے لیئے زہر کا حکم رکھتی ہے۔ جو کچھ عرصے کے بعد اس کار فرما قوت کو انسانی رہنمائی کے لیے ناکارہ کر دیتی ہے، اور جسم میں استر خائے طبعی رونما ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

تشکیل ذکر و مجلس کے سلسلہ میں ہمیں ان عوامل کو جاننا چاہیے جن کا پے بہ پے ہمارے معتقدات پر اثر پڑتا ہے۔ اور اُن کے مقابلے میں ہمیں تنقیدی طرز عمل اختیار کرنے کی ضرورت ہے جغرافیائی حالات، ماحول اور تربیت ذکر انسانی پر

غیر محسوس طور پر اثر ڈالتے ہیں جن کے صحیح اثرات کو حاصل کرنے اور مضر اثرات سے بچنے کی ضرورت ہے۔ جذبۂ قومیت انسان میں بے معنی طور پر جغرافیائی حدود، وطن، رنگ اور ذات پات کی تمیز پیدا کر دیتا ہے۔ حالانکہ اسلام نظام انسانیت کا تحفظ چاہتا ہے۔ اور اس کے نزدیک ایک ہی وطن ہے یعنی روئے زمین اور ایک ہی قوم ہے یعنی انسان۔ محض مزدا وقات سے فکر انسانی تعمیر و تخریب کے منازل سے گزرتا ہے۔ ضرورت ہے کہ تخریبی قوا کی مدافعت کی جائے۔ نظام حکومت و معاشرت معتقدات پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ بالخصوص اجنبی حکومت اور معاشرت کے اثرات دور رس ہوتے ہیں۔ (اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ) اگرچہ ملکی نظام حکومت و معاشرت اقوام کے اخلاق اور عادات سے پیدا ہوتے ہیں، اور قومی اخلاق و عادات کے تغیر سے یہ نظام خود بخود بدلتے رہتے ہیں۔ تعلیم و تہذیب مترادف الفاظ نہیں محض تعلیم کسی قوم کے لیے پیغام نجات نہیں ہو سکتی اس کا مضر ہونا بھی عین ممکن ہے ایسے فاسد تعلیم قوم کے لیے افیون کا حکم رکھتی ہے، جو آہستہ آہستہ ذہن انسان کو بے کار کر دیتی ہے، اور انسانی جسم کو کسی عملی سرگرمی کے ناقابل بنا دیتی ہے۔ صحیح تعلیم کا مقصد اظہار ذات ہے، جس سے ذہن کی صحیح تربیت ہو سکے فہم و ادراک چمک اٹھیں، واقعات زمانہ سے نتائج اخذ کرنے اور ذاتی طور پر غور و فکر کی عادت پیدا ہو، زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے عزم صمیم کے ساتھ ہر لحظہ جہاد کے لیے سرگرم رکھے۔

فطرتاً انسان قدامت پسند واقع ہوا ہے، کیونکہ عہد ماضی کی وراثت کو یکسر ترک نہیں کر سکتا لیکن اسلام محض قدامت پسندی کا رَوادار نہیں، بلکہ قدامت پسند

کی وہاں تک اجازت دیتا ہے جہاں تک قدامت پسندی حق پرستی میں ممد ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام تجدید کا اصولی طور پر مخالف نہیں۔ بلکہ ہر زمانے کے مخصوص حالات میں ذہنی و مجلسی مشکلات کے حل کی دعوت فکر دیتا ہے۔ لیکن تجدید کو وہاں تک مستحسن قرار دیتا ہے۔ جہاں تک تجدید کے معنی حق پرستی کے ہیں

اسلام شبانہ روز کی جدوجہد اور ذہنی و مجلسی نجات کا علمبردار ہے۔ جسم و ذہن ایک دوسرے کے حلیف ہیں، ایک دوسرے کی کیفیات سے متأثر ہوتے ہیں، جو اصول افراد کے لیے صحیح ہیں وہی اقوام کے لیے راست آتے ہیں، افراد و اقوام ایک ہی قسم کے اصول کے ماتحت عروج و زوال کے منازل طے کرتے ہیں جس طرح خرابات کو دوبارہ تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کبھی اس قسم کی اجازت نہیں دیتا کہ اقوام عالم مادی ترقیات سے شاہین کی طرح پر پھیلا کر مشرق و مغرب پہ چھا جائیں اور مسلمان کبوتر کی طرح بے چارگی و غربت میں روحانی کیفیات سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔

عہد حاضر میں جب کہ مشرق و مغرب تغیرات کے بے پناہ ہاتھوں سے زیر و زبر ہو رہے ہیں، مشکل ہے کہ کوئی صاحب نظر موجودہ حالات کا جائزہ لیے بغیر مختصر سے اوقات زندگی بسر کر کے راہئ ملک بقا ہو۔ ؎

چدرو آرم بمیدان تا قیامت — مگر زن نامۂ عصیاں حمائل
بفرما تا مرا آزاد سازند — زبیم آتش و تحبیر سلاسل

روحی

آخر اس حیات مستعار کا مقصد؟ ظاہر ہے کہ زندگی کے مقاصد بلند ہیں

کھانے پینے کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ حظوظ نفسانی کی غلامی انسان کے لیے کسی طرح باعث شرف نہیں ہو سکتی۔ زندگی یہی ہے کہ انسان دل دردمند اور چشم جہاں بین کا مالک ہو، فکر بلند و عزم صمیم اُس کی رہنمائی کریں، زمانے میں حق و انصاف کی سلطنت کے قیام کے لیے جہاد کرے، زمانے میں یقین و قرار کے ساتھ خدا اور بندگان خدا کے حقوق کی نگہداشت کرے۔ مختصر یہ کہ دین و دنیا کی فلاح کے لیے کامیاب زندگی بسر کرنے کا طلبگار ہو۔

انہیں لمحات فکر میں یک بیک یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آج دنیائے اسلام میں ایسے لوگ کتنے ہیں جن کا ذوق حق پرستی ہر قسم کی قربانی کے لیے آمادہ کر سکتا ہے وہ افکار بلند آہنگ جس سے ہمارے بزرگان صفا کیش متحرک ہوتے تھے اور چشم زدن میں بحر الکاہل سے لے کر بحر ظلمات تک پھیل گئے تھے آج کیا ہوئے؟ عمرؓ و علیؓ، خالدؓ و طارقؒ، بعد ازاں بابرؒ و عالمگیرؒ کے پس ماندگان کی موجودہ زبوں حالی اور فقر و مسکنت یعنی کیا؟

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

غالب

ہلاکو خاں کے حملہ بغداد کے وقت سے اسلامیوں کا شیرازہ بکھرنا شروع ہوا۔ علوم و فنون سے عدم توجہی نے اُمت اسلامیہ کو ذہنی تسفل میں جکڑ دیا علما اس حقیقت سے غافل رہے کہ مذہب و علوم و فنون ارتقائی منازل طے کرتے ہیں، انسان کی صحیح نشوونما کے لیے ماحول ذمہ دار ہے، زندگی حرکت سے

ہے اور سکون موت کی دوسری شکل ہے۔ تہذیب و تمدن اور حکومت عوام سے ہیں یعنی نجات عوام کی صحیح رہنمائی اور اخلاق و عادات کی تربیت میں مضمر ہے۔ متاخرین نے مغربی اقتدار کا جائزہ لے کر صحیح نتائج تک پہنچنے کی کوشش نہ کی، اور مغربی علوم و فنون کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے رہے، حالانکہ ذہنی طور پر اُن سے مسحور رہے۔ قرآن کی تعلیماتِ حقہ کی رو سے اپنی نجات، ملت اور ماحول کے متعلق کوئی صحیح فیصلہ کرنے سے عاجز رہے۔ ع

خود را نشناسند خدا را نشناسند

علماء کے بعد سیاسی رہنماؤں نے قوم کو کہیں کا نہ چھوڑا۔ سترھویں صدی کے اواخر تک دنیائے اسلام افتاں و خیزاں صحو تگ و تاز رہی، لیکن اٹھارھویں صدی کے آغاز میں مغربی اقوام کو روح تغلب نے ایشیائی ممالک میں دعوت دے رکھی تھی۔ مسلمان قریباً ڈیڑھ صدی کے اندر اندر سرزمین ہند کی وسیع و عریض مملکت ہاتھوں سے کھو بیٹھے، یعنی آلِ تیمور کے زوال کے ساتھ ہی شوکت اسلامیہ بھی رخصت ہوئی۔ حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ کے بعد کے اوقات کی سیاست ہند ایک دل شکن اور یاس انگیز داستان ہے۔ جس میں سیاسی رہنماؤں اور اکابر ملت کی خود غرضی اور نفس پرستی کے یاس انگیز واقعات کی فراوانی ہے ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد جب کہ مسلمان انتہائی بیچارگی کو پہنچ چکے تھے بعض اکابر ملت نے اسی بے مائگی کے عالم میں اصلاح و تعمیر کی جانب توجہ کی اور اس میں شک نہیں ان چند برگزیدہ ہستیوں سے جو کچھ بن آیا انہوں نے کیا لیکن آج یہ حقیقت کسی سے پنہاں نہیں کہ ہماری سیاسی قیادت بدستور خود غرضی اور

2069

نفس پرستی میں منہمک ہے، اور عامۃ الخلائق کی نگہداشت کے جو گراں فرائض رہنماؤں پر عائد ہوتے ہیں، اُن سے وہ کماحقہٗ سبکدوش نہیں ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ آئے دن مصائب کا سامنا کرتے رہتے ہیں۔ مسلمان جہالت کی وجہ سے مخلص اور غیر مخلص رہنماؤں میں فرق نہیں کر سکتے۔ نااہل اور خود غرض رہنماؤں نے قوم کے دل و دماغ کو ماؤف کر رکھا ہے۔ اعلائے کلمۃ الحق کے لیے اگر کوئی آواز اُٹھتی ہے۔ تو نوجوانوں کے ایک خاص طبقہ سے جنہیں مغرب زدہ ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ ؎

یکے بشہر نگر کن چہ انقلاب افتاد
کہ رند میکدہ بیدار و پارسا خفتہ است

گرامی

(قوم کا بہترین سرمایہ نوجوان ہیں۔ انہیں مناسب تعلیم اور صحیح تربیت مہیا کی جائے تو یقیناً قوم کی حالت تھوڑے سے عرصے میں دگرگوں ہو سکتی ہے کیونکہ یہی نوجوان کل قوم کہلائیں گے، اور یہی لوگ امور سلطنت کی باگ ڈور سنبھالیں گے۔ حضرت عالمگیرؒ کی اولاد کی بے معنی تربیت سلطنت مغلیہ کے زوال کا باعث بنی۔ نوجوان ترکوں نے لاشۂ ملت ترکیہ کو چند دنوں میں زندہ کر دیا اور مملکت کی از سر نو تشکیل کی اور وہ ترکی جو کل تک یورپ میں "مرد بیمار" کی حیثیت رکھتا تھا، آج اس قدر توانا و تندرست ہے کہ اُس کی تندخوئی سے خرس روس دگر گان فرنگ لرزہ براندام ہیں۔ مشہور مصلح اسلام مولانا سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے چند سال کے قیام مصر میں لاتعداد نوجوانوں

کی تربیت فرمائی، جو عہد نو کے مسائل سیاسی و مجلسی میں ید طولیٰ رکھتے تھے کون نہیں جانتا کہ زعیم کبیر مصر سعد زغلول اور عالم شہیر سید محمد عبدہٗ اور ان کے دیگر مصری وزنی رفقائے کار سید مرحوم کی صحبت کا فیض اٹھائے ہوئے تھے ہمیں معلوم نہیں کہ ہندوستان میں علی گڑھ کے اول ایام کے سوا کہاں اس قسم کی پاکیزہ کوشش عمل میں لائی گئی ہیں جن سے مقصود قوم کی سیاسی و مجلسی فلاح ہو۔ موجودہ دور میں نوجوانوں کی سرگرمیوں کا کوئی مرکز نہیں حقیقت میں یہ ان کی ذہنی تربیت اور ماحول کی عدم موافقت کا نتیجہ ہے، یہ سچ ہے کہ ان کا ایک حصہ علو ذہنی کے حصول کو سب سے بڑا وصف قرار دیتا ہے، پابندی اصول اور حق پرستی کو عین حیات جانتا ہے، لیکن ماحول کی آہنی قوت کے تقابل کے لیے ان کا سرمایہ سیمابی کیفیات کے سوا کچھ نہیں ؎

مگر ہنوز ندانم چہ جستجو دارم!
دمے قرار نگیرم چہ آرزو دارم!

دور جدید میں مسلمانوں کو مذہبی اور مجلسی مشکلات میں بہت حد تک احیاء العربیہ کی طرف توجہ کرنی چاہیے، کیونکہ عربی علوم کے مٹ جانے سے اسلامیات کی صحیح تعلیم سے موجودہ نسلیں بے بہرہ ہوتی جا رہی ہیں۔ پرانی وضع کے مکاتب میں عہد قدیم کے علوم و فنون پر اکتفا کی جاتی ہے، جن میں موجودہ ماحول کے مطالبات کیلیے کوئی تسلی نہیں۔ ضرورت ہے کہ قرآن کو عہد حاضر کے علوم تازہ کی روشنی میں ناقدانہ نقطۂ نگاہ سے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ مغربی علوم سے بہرہ ور نوجوان طبقہ عربیت سے بیگانہ ہے اس لیے خود قرآن کے معنی سمجھنے سے بیچارہ ہے۔ دونوں طبقوں میں اسلامی تعلیم سے خوفناک بے خبری

پھیل رہی ہے یہ لوگ بیسویں صدی کی ذہنی لطافت سے جو اسلام کے صحیح تصور سے پیدا ہوتی ہے محروم ہیں اس کا نتیجہ مجلسی دوائر میں یاس انگیز بے مرکزی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ مدرسہ عالیہ کلکتہ، مدرسۃ العلوم دیوبند، ندوۃ العلما لکھنؤ، حیدرآباد، بھوپال، دہلی اور لاہور کے دیگر مشرقی مکاتب قدامت پسند طبقہ کی ذہنی تشنگی کو بہت حد تک بجھا رہے ہیں، مگر ان درس گاہوں نے جو لوگ پیدا کیے اور انہوں نے جو کچھ ہندی مسلمانوں کی موجودہ مشکلات کو حل کرنے کیلیے کیا، اظہر من الشمس ہے۔

بیسویں صدی عجیب و غریب تغیرات کی بنا پر ہمیشہ کے لیئے تاریخ عالم میں ممتاز رہے گی۔ قومیں شب و روز پہلو بدل رہی ہیں۔ یورپ کے صنعتی انقلاب نے جس کی ذمہ دار مشین ہے، آلات حرب و نقل و حرکت میں زمین و آسمان کا تغیر پیدا کر دیا ہے۔ جنگ کا طریق کار بدل چکا ہے۔ قلعوں اور قدرتی فصیلوں سے اب قومیں محفوظ نہیں رہ سکتیں مشرق و مغرب دونوں انگشت بدنداں ہیں کہ عہد جدید کے روز افزوں قوائے تغیر کا کیوں کر سامنا کیا جائے مغرب اپنی اجتماعی اور صنعتی سرگرمیوں سے نالاں ہے مشرق کو جمود و جمود نے مفلوج کر رکھا ہے۔ ع

اے رستخیز وقت رسید آشکارا شو

اس قیامت صغریٰ میں جب کہ اقوام میں نفسی نفسی کا شور برپا ہے ضرورت تھی کہ علماء و سیاسی رہنما ملک و ملت کے معاملات میں باتفاق رائے نتائج تک پہنچنے کی کوشش کرتے قوم کو یقین دلاتے کہ کوئی قوم ذہنی

تسفل اور عدم حرکت کے توسط سے زمانے میں سربلند و کامگار نہیں ہو سکتی دور جدید کی تیز و تند آندھی کے گزر جانے کا انتظار بے سود ہے۔ صبح و شام کی کشمکش سے بیزاری، زمانے کا شکوہ، ماحول سے تنفر، یاس و حسرت، آہِ نیم شبی و نالہ سحری ذہنی قرار کے مہیا کرنے اور اجڑتی ہوئی بستیوں کو بسانے سے قاصر ہیں۔ انسانی فطرت کے شاہینی خصائل کو بیدار کرنے سے اُسے العزم للقوۃ کی جہانگیر قوت حاصل ہوتی ہے۔ دوسری اقوام کے دوش بدوش گامزن ہونا ہی نظام عالم میں کسی قوم کے لیے باعثِ نجات ہو سکتا ہے۔ قصر انسانی کی از سر نو تعمیر ہو سکتی ہے۔ خرابات عالم کو پھر سے آباد کیا جا سکتا ہے۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ

(پارہ ۱۷)

دورِ قدیم و جدید

کرۂ ارض پر انسانی حرکت و عمل حفظِ ذات اور ماحول کے تقابل سے ہے حیوانی دنیا کی سب سے پہلی ضرورت خوراک ہے۔ تلاشِ خوراک نے انسان کو روئے زمین پر حرکت کرنے کے لیے مجبور کیا، اور اسی حرکت کے ساتھ انسانی تہذیب و تمدن کی بنیاد پڑی۔ آریائی، منگول، سیامیقی، حبشی غرض تمام نسلیں محرکاتِ فطری کے ماتحت اقطاع عالم میں نقل و حرکت کرتی رہیں۔ ابتدائی ایام میں انسان کی ضروریات سادہ، مثلاً شکم پروری، لباس اور رہنے سہنے کے دیگر لوازم تھے، انھی ضروریات کو پورا کرنے کے لیئے انسان نے آلاتِ شکار ایجاد کیئے۔ پہننے کیلیے کھالوں کا استعمال کیا۔ ماحول کے تصادم نے انسان کو تسخیرِ عالم پر مجبور کیا۔ یعنی کہ عہدِ قدیم میں تصویرِ جہاں بے رنگ تھی اور زلفِ دوراں دستِ مشاطہ سے نامحرم تھی لیکن یہیں سے انسانی تہذیب و تمدن کے اولین خط و خال کا پتہ چل سکتا ہے۔ احتیاج انسانی فطرت کو ہانکتی ہے اور اس سے نجات پانے کے لیے انسان صبح و شام مشرق و مغرب کی راہیں طے کرتا ہے۔ بحر و بر

پروان چڑھتا ہے اور ہوا میں اگتا ہے۔ ماحول کے اندر انسانی ذہن اور جسم پرورش پاتے ہیں انسانی جسم بوجوہ چند پودوں اور جانوروں سے نسبت رکھتا ہے۔ یہی صورت ذہن انسانی کی ہے اور یہی حال تہذیب و تمدن کا ہے جس طرح عام درخت ایک مدت کے بعد پھل پھول کر مرجھا جاتے ہیں اسی طرح تہذیب و تمدن کے باغ کی اگر نگہداشت نہ کی جائے تو پودے مرجھا کر سوکھ جاتے ہیں۔

ذہن انسانی ماحول میں تجربہ و مشاہدہ سے نتائج اخذ کرتا ہے، اور اس علم کی طاقت سے زندگی کو آسائش سے بسر کرنے کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس صورت میں انسان کو دو قسم کے مسائل سے واسطہ پڑتا ہے۔ ایک نظری جس میں سراسر فکر کو دخل ہے، دوسرے عملی جس کی تمام کائنات کردار ہے۔ زندگی کے یہ دونوں پہلو ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں، اور ایک کا نہ ہونا دوسرے کو نامکمل رکھتا ہے نظریات میں عقل و دانش، افکار و معتقدات (مذہبیات)، (اخلاقیات) و مافوق الطبیعیات وغیرہ شامل ہیں، اور عملیات کے دائرہ میں محرکات ذہنی کو عملی جامہ پہنایا جاتا ہے۔ مطامع و حوائج انسانی کو پورا کیا جاتا ہے، اور افکار و معتقدات کے ماتحت فرائض کو سرانجام دیا جاتا ہے۔ انسانی دنیا انہیں محرکات کے سامنے سر تسلیم خم کرتی ہے، اور انہیں سے مختلف اقسام کی تہذیب و تمدن کی عمارتیں تعمیر و تخریب کے زیر عمل رہتی ہیں محرکات ذہنی اپنے اندر تعمیر و تخریب کے دونوں پہلو رکھتے ہیں، اور یہ انسانی سرگرمیوں میں ظاہر ہو کر اپنے اثرات کا پتہ دیتے ہیں۔

زمانہ قبل تاریخ سے لے کر انسان خطہ ہائے زمین کو ایک ہی وطن سمجھتا

رہا ہے، اور ضرورت و حالات اسے ایک میدان سے دوسرے میدانوں میں پھینکتے رہے۔ بہر صورت انسان احول سے متصادم رہا انسان ہر خطہ میں انسان تھا۔ رنگ و نسل کا امتیاز جغرافیائی حدود کی قید و بند سے ہے، ورنہ انسانی فطرت کے محرکات اولی ایک ہی ہیں، یہ سچ ہے کہ ماحول کے تاثرات محرکات کو بقدر احوال تبدیل کرتے رہتے ہیں وسط ایشیا کی آریائی اقوام گرد و نواح کے ممالک میں پھیل گئیں اور جہاں گئیں اپنے ساتھ خاص قسم کی ذہنیات و تہذیب لے کر گئیں۔ یورپ میں جا کر وہاں کے ماحول سے متاثر ہو کر وسطی یورپ میں خاص قسم کی تہذیب پیدا ہوئی جس سے یورپ کے دیگر ممالک متاثر ہوئے۔ ایران و ہند میں آتش پرستی اور قدیم ہندو تہذیب کی بنیاد ڈالی اور خاص قسم کے مذاہب ظہور میں آئے منگولی نسلوں نے اپنی فطرت کو شرقی ایشیا کے ماحول میں تربیت کیا ذہنی حیثیت سے ایک خاص قسم کی تہذیب و تخیل پیدا ہوئے اور جغرافیائی قوتوں نے ایک خاص قسم کی شکل و رنگ پیدا کئے ایسا ملیقی لوگ اپنی دنیا میں خاص افکار کے ساتھ متصادم رہے وہاں کی تہذیب و تمدن اور مذاہب ایک خاص نوعیت سے معرض ظہور میں آئے۔ حبشی لوگ وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے، ان کے ماحول نے انہیں خاص طرح کا قد و شکل اور رنگ دیا۔ وہ اپنے ماحول میں تہذیب و تمدن کے صحیح مدارج طے کرنے سے معذور رہے۔ غرض یہ کہ انسان ذہن و جسم ، وراثت اور ماحول کے لامتناہی اثرات میں پرورش پاتا ہے۔ روئے زمین کے انسانی مسائل کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے۔ اور فطری محرکات کے خطوط کے ساتھ ساتھ انسانی سرگرمیوں کے نتائج معلوم کئے جا سکتے ہیں۔

جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں، انسانی دنیا کا کمال فکر و عمل سے ہے لیکن چونکہ انسان فطری مطالبات پورا کرنے کے بعد آرام طلب واقع ہوا ہے، اس لیے انسان کو خوراک مہیا ہونے کے بعد آرام کی سوجھتی ہے۔ اور یہاں سے میلان تفکر پیدا ہوتا ہے، یعنی انسان محض تخیلی دنیا میں لطف اندوز ہونے لگتا ہے۔ اسی میلان طبیعت پر فلسفہ کی بنیاد ہے۔ اسی میلان کے ساتھ ساتھ انسان اپنی ضروریات از قسم خوراک وغیرہ کو دوسرے لوگوں سے پورا کرانے کا خواہاں رہتا ہے۔ اس خواہش سے دو نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ انسان خود محض فکریات کی طرف مائل ہو جاتا ہے، اور عملی زندگی سے گبھراتا ہے۔ اور دوم دوسروں سے بے جا خدمت لینے کا عادی ہو جاتا ہے۔ پہلی صورت سے یونانیوں اور ہندوؤں نے خاص قسم کا نظری فلسفہ پیدا کیا جو مجموعۂ افکار کے سوا کچھ نہ تھا، اور اسے دنیوی حقائق سے بہت کم نسبت تھی۔ انجام کے طور پر اس فلسفہ سے دنیوی (مادی) اشکالات حل نہ ہو سکیں، بلکہ انسان ذہنی اور جسمی طور پر زیادہ پریشان حال رہا، کیونکہ نظری فلسفہ سائنس کے علوم میں تفحص و تتبع سے انسانی دماغ کے مانع رہا۔ دوسری صورت میں انسان خود کاہل اور بے مصرف ہو جاتا ہے اور دوسرے لوگوں کو اپنا بے جا طور پر خدمتگزار بنانے کی کوشش کرتا ہے جس کا نتیجہ انسانی لعنت یعنی غلامی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ یونانیوں کے نظری فلسفہ نے تعلیم یافتہ یونانیوں کو بیکار کر دیا۔ ان کے نزدیک انسان کے بہترین مشاغل ذہنی ہو سکتے تھے۔ وہ عملی کام سے سراسر نفور تھے اور اس قسم کے مشاغل کو تہذیب سے دور تصور کرتے تھے۔ فلاسفۂ یونان بالخصوص افلاطون کے نزدیک عملی کام کے

لیے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس افتادِ طبیعت سے یونانی تباہ ہوئے اور ان کی تہذیب زوال پذیر ہوئی۔ یونانیوں کے بعد رومیوں کی تہذیب میں غلامی کو بہت بڑا دخل تھا اور شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یونانیوں اور رومیوں کی تباہی کا اہم باعث غلامی تھی جس کی وجہ سے یہ لوگ عملی زندگی سے بیزار ہو چکے تھے، اور رفتہ رفتہ اُن کے نظامِ مجلسی میں ایسے جراثیم پیدا ہو گئے جنہوں نے اس قدر عظیم الشان سلطنتوں کو برباد کر دیا۔

قرونِ اولیٰ میں مصر و عراق کے لوگوں کے حالات یونانیوں اور رومیوں سے مختلف تھے۔ ان کے ماحول نے ان کو عمل پر مجبور کیا، اس لیے انہوں نے بہت سے آلات ایجاد کیے۔ یورپ کے وحشی لوگ تہذیبِ قدیم سے بے بہرہ تھے، انسانیت کے ابتدائی خطوط پر چل رہے تھے، ایک عرصہ تک جنگلات پر گزارہ کرتے رہے لیکن باہر سے لوگوں کی آمد سے خوراک کا مسئلہ مشکل ہو گیا چند صدیوں کے بعد یورپ کے بعض طاقتور سرداروں نے کاشتکاروں کو غلامی کی ایک خاص شکل میں تبدیل کر دیا، ہر چند اُسے صحیح معنوں میں غلامی نہیں کہا جا سکتا۔ ان تاریک ایام میں جب کہ عیسائیت اور یورپی وحشت کی آمیزش سے قرونِ وسطیٰ کی ایک خاص قسم کی تہذیب پیدا ہو چکی تھی ابھی خال خال لوگ باقی تھے جو ماحول سے متاثر ہو کر انسانی نجات کی فکر کرتے تھے، مگر عیسائیت کسی ایسے اقدام کی سخت مخالفت کرتی تھی جس کا نتیجہ قرونِ اولیٰ کی طرف لوٹنا ہو۔

ایشیائی تخیل (سوائے اسلام) نے جغرافیائی ماحول کے قیود میں مشرقی قوموں کو نظریات کی طرف مائل کر رکھا چنانچہ ایشیا میں مذاہب کی کثرت ہے اور

ان کا مذہبی شغف اس درجہ تک ہے کہ ان کے نزدیک انسان کے ابتدائی محرک یعنی بقائے ذات کو مذہب کے بعد اہمیت حاصل ہے اسلیے یہ لوگ مذہبی حیثیت سے دنیوی مسائل سے کنارہ کش رہے چنانچہ زردشتی ہندو اور بدھ مذاہب میں دنیوی معاملات کو کم دخل ہے اس لیے انسانی زندگی کا رشتہ براہ راست مذہب ٹھہرا چنانچہ مذہب برائے مذہب انسانی سرگرمیوں کا مرکز تھا، حالانکہ مذہب انسانی زندگی کی تکمیل کے لیے ہے۔ ایسے نظام افکار کے ماتحت زردشتی ہندو اور بدھ لوگ جو قبل اسلام قریبًا تمام مشرقی اور وسطی ایشیا پر چھائے ہوئے تھے، دنیوی ترقی سے غافل رہے۔ ہاں ان کی ترقی بقدر ضرورت اتل حرکت پر مبنی تھی، عام خواص انسانی اقوام کو عام جدوجہد کے لیے مجبور کرتے تھے۔ مگر مذہب بمعنی مجبوری مشرقی ممالک پر چھایا ہوا تھا، اور تسخیر فطرت کا مسئلہ ان کے لئے از بس گراں تھا۔ ایشیائی تہذیب و تمدن کی بنیاد مذہبیت سے تھی جس کے دائرے میں شخصیت کی حکمرانی تھی۔

ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں عرب سے دنیا کیلئے ایک نئے آفتاب کا طلوع ہوا یہ حقیقت کبریٰ اسلام کے نام سے زمانے میں روشناس ہوئی۔ یہ وقت دراصل دور قدیم و جدید کی حد فاصل تھا۔ مشرق و مغرب میں ذہنیات انسانی فکر و عمل کے خوشگوار اعتدال سے محروم تھے جس سے موجودہ اور آئندہ دنیا کے تعلقات کا قیام ناممکن تھا۔ دنیوی ماحول میں عملی قوا کے غیر مسخر ہونے سے انسان مایوسی کی دلدل میں دھنسا ہوا تھا۔ اسلام دور جدید کا مذہب ہے، اور ہر لحظہ جدید ہے۔ دور قدیم و جدید میں فرق ظاہر ہے، دور قدیم میں فکر عہد طفولیت میں پرورش

پار ہا تھا اور لوگ زندگی میں صحیح عمل کی کیفیت سے ناواقف تھے اسلام نے فکر کی تکمیل کی اور صحیح راہِ عمل کے لیے انسانی فطرت اور ماحول کے باہمی تاثیر کے پیشِ نظر خطوط کھینچے اس سادہ سی حقیقت نے ممالک شرقی و غربی میں تہلکہ مچا دیا، اور قدیم افکار و مذاہب و مجالس کی بنیاد متزلزل ہونے لگی شمع اسلام کی روشنی یکایک ہر سمت میں بجلی کی طرح پھیل گئی، اور چند ہی سالوں میں مسلمان ایشیا افریقہ اور یورپ پر پھیل گئے۔ ایران و ہند، روم و شام، مصر و حبشہ، سپانیہ، سسلی میں عظیم الشان سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ الغرض چشم گردوں نے ایک نئی دنیا کو معرض وجود میں آتے دیکھا، قیصر و کسریٰ کے محلات متزلزل ہو گئے، ایران کے آتشکدے ٹھنڈے پڑ گئے، ہندوستانی تنگدلوں میں توحید کا پیغام پہنچا، وحشت آباد یورپ میں جہاں لوگ عیسائیت کے ناقص مذہبی نظام اور اس کے عواقب کے خلاف احتجاج کر رہے تھے سپانیہ کی اسلامی یونیورسٹیوں سے، سائنس اور فلسفہ کی شعاعیں پہنچنے لگیں اور ممالک یورپ کے طلبہ سپانیہ کے سرچشمہ علوم سے پیاس بجھانے کے لیے جوق در جوق سفر اختیار کرنے لگے۔ یہ وہی سپانیہ ہے جس کی زبان کو عربوں نے لغت و سائنس اور مجلسی امور کے لیے موزوں ترین بنا رکھا تھا، اور غرناطہ اور اشبیلہ کی درسگاہوں میں جنوبی یورپ بالخصوص اٹلی اور جنوبی فرانس کے طلبہ تکمیل علوم کے لیے عربی زبان حاصل کرتے، اور واپس جا کر اپنے ممالک میں ان کی نشر و اشاعت کرتے۔ اسی دور میں جب کہ یورپ کو علوم اسلامیہ سے تعارف حاصل ہوا تو نشاۃ ثانیہ کی داغ بیل ڈالی گئی۔ یورپ کو اپنی جہالت کا احساس

ہوا تو دورِ قدیم کے خلاف احتجاج کا علم بلند کیا گیا۔ صحیح فکر و عمل کی روش کے لیے یورپ میں ہنگامے برپا کیے جس سے قدیمی مجلسی نظام کے قصر کو مسمار کر دیا گیا اور اس پر نئے افکار و اعمال کی بنیادوں پہ نئے محلات تعمیر کیے گئے جن کو آج یورپ میں دیکھ کر ہماری آنکھیں چکاچوند ہو رہی ہیں۔ قرونِ وسطیٰ کے شام و عراق کے نصاریٰ و یہود اسلام کو مذہب جدید اور اسلامیوں کو جدیدی ہونے کا طعنہ دیتے تھے۔ آج ہم اسلام کو کیونکہ قدیم کہہ سکتے ہیں جب کہ حقیقتاً اسلام اور اس کے علوم و فنون سے بہرہ اندوز ہونے والی مغربی اقوام سو فی صدی جدید ہیں۔ فوکاوسفا۔

(صنعت و حرفت میں مسلمان مشرق و مغرب میں پیش پیش رہے۔ بقراط اور جالینوس کے اصول کو اسلامیوں نے معراج کمال تک پہنچا دیا۔ فلسفہ، علم الحیات، الکیمیا، طبعیات، الجبرا، اقلیدس، علم النجوم میں ان کی معلومات نے انہیں بحر و بر کا حاکم بنا دیا۔ فن طب میں انہیں خاص دخل تھا۔ آج کون رازی (ابوبکر محمد ابن زکریا) شیخ بو علی سینا (ابو علی الحسین ابن عبداللہ ابن سینا) ابن رشد (ابو الولید محمد ابن رشد) کے اسمائے گرامی نہیں جانتا جو کہ علوم الہیہ کے استاد تھے جن کی کتابیں یورپ، ایشیا اور افریقہ کی درسگاہوں میں خاص ادب و احترام سے پڑھائی جاتی تھیں۔)

دورِ عباسیہ میں علوم یونانیہ کو بذریعہ تراجم عربی زبان میں منتقل کرایا گیا۔ یونانی بالطبع عافیت کوش تھے۔ اس کے خلاف عرب ذوقِ عمل رکھتے تھے انہوں نے علوم ملیر عملی کی چاشنی پیدا کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دنیائے اسلام میں سائنس

کو بدرجۂ غائت فروغ حاصل ہوا سینکڑوں قسم کی ایجادات نے تسخیر عالم کو آسان تر کر دیا۔ بارود آتشیں اسلحہ قطب نما، دھگھڑی کی ایجاد سے مشین کی طرف اقدام کیا گیا۔ کیمیائی معلومات کے احسان سے زمانہ حال کی کیمسٹری سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ علم نجوم، طبیعیات و فلسفہ یونان پر اسلامی فکر نے بیش بہا اضافہ کیا جس سے نیوٹن بیکن اور دیگر فضلائے یورپ نے استفادہ کیا جس کے لیے مغربی اقوام اسلام کی مرہون منت ہیں۔ دور جدید کی تہذیب و تمدن کی بنیاد اسلامیت پہ ہے۔ اسلام فکر و عمل کا توازن چاہتا ہے...... فکری نجات کا رہنما اور عملی مادی اقتدار کا علمبردار ہے۔ اسلام مذہبی حیثیت سے ذہنی مرکز قائم کرتا ہے۔ اور تسخیر عالم کے لیے سائنس اور مشین کے استعمال کی تاکید کرتا ہے۔ شکوہ اسلامی انہیں اصولوں کی بدولت تھی یورپ نے انہیں اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی خصوصاً تسخیر عالم اپنا مقصد ٹھہرایا۔ اعلیٰ قدریں وہ کامیاب ہوئے جو کچھ اسلامیوں نے کیا ہوتا، وہ یورپ نے کر دکھایا یورپ کی موجودہ ترقی ارتقائے اسلام کی قریبی صورت ہے۔ ع

بیستون را عشق کند و شہرتش فرہاد برد

دور قدیم میں مشین کو دخل نہ تھا زندگی سادہ اور محنت کی متقاضی تھی آمد و رفت رسل و رسائل اور دیگر امور اعضائے انسانی کو حرکت دئیے بغیر سرانجام نہیں دیے جا سکتے تھے۔ اس لیے دور قدیم کے تہذیب و تمدن اور نظام معاشرت ایک خاص فضا کی پیدائش تھے جس میں تغیر کی رفتار سست اور ماحول کے تقاضا یا تسخیر عالم کے لیے کوئی سامان نہ تھا۔ دور جدید

جس کا آغاز ظہور اسلام سے ہے، دوسری فضا سے تعلق رکھتا ہے، جو کہ صحت نکر و معیار عمل کی جولانگاہ ہے جس میں تغیر صبح و شام کے جہاد کا نام ہے، رہنمائی کے لئے علوم حقہ کا نام سائنس اور مادی وسائل کی تفصیل مشین ہے۔ دور قدیم کی تحریکات مذہبی تھیں اور زندگی عدم حرکت کی طرف مائل تھی۔

دورِ جدید کی عالمگیر تحریکات مجلسی سیاسی اور اقتصادی ہیں، اور سرعت کے اعتبار سے اُن کو دور قدیم سے کوئی نسبت نہیں۔ سائنس اور مشین موجودہ دنیا کے نظام کی تشکیل نو کے درپے ہیں۔ مجلسی طور پر بنیادی اصلاحیں عمل میں لائی جارہی ہیں۔ اخلاقی نظریات بدلے جارہے ہیں۔ زندگی کو نئے زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔ اقوام تغلب کیلئے ایک دوسرے سے اُلجھ رہی ہیں اور ... اقتصادی دائرہ میں متصادم ہو رہی ہیں۔ علوم و فنون کی ترقی میں جرأت فضا اسرار عالم کے معلوم کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کر رہے ہیں جن قوموں کی روش اور نظریات عمل دورِ قدیم سے نسبت رکھتے ہیں اُن کے لیئے موجودہ دور میں کوئی جگہ نہیں وہ قومیں یا تو آہستہ آہستہ صفحۂ ہستی سے محو ہو رہی ہیں یا اپنی قسمت کو بدلنے کیلئے دوڑ دھوپ کر رہی ہیں کیونکہ عالم میں گوشۂ عافیت کی تلاش لاحاصل ہے۔ ایسے گوشہ کی تلاش کے معنی موت کو ڈھونڈنا ہے۔ یورپ کے تغلب نے دوسری قوموں کے لئے وجہ فکر پیدا کر دی ہے، اور عام طور پر محسوس کیا جا رہا ہے کہ "اگر کسی شخص کو امن مقصود ہے۔ تو اُسے جنگ کے لیے تیار رہنا چاہیے" چنانچہ مشرقی اقطے میں جاپان نے اس راز کو پالیا ہے، اور گزشتہ پچاس برس

کی لگاتار کوششوں سے اُس نے اپنے آپ کو درجہ اول کی طاقت کی حیثیت سے صف اقوام میں جگہ حاصل کر لی ہے۔ ترکی اس کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ المختصر دور جدید کے مسائل ایک مخصوص نوعیت رکھتے ہیں اس دور میں قومیں سیاسی نجات کے لیئے متحرک ہیں، اور ہر قسم کی قربانی کو اس راہ میں کمتر تصور کیا جا رہا ہے۔ جو قومیں احوال حاضرہ کا جائزہ دے کر ان سے نتائج اخذ کرنے کے لیے تیار نہیں، ان کے لیے "تنازع للبقاء" کے زرین اصول کے پیش نظر روئے زمین پر کوئی جگہ نہیں، کیونکہ اگر خود حاکم نہیں تو محکوم ہوں گی۔ ان دونوں صورتوں کے درمیان تیسرا کوئی مقام نہیں۔

اسلام نے یورپ کی قرون وسطیٰ کے تاریک ایام میں دستگیری کی اور اسلامی تہذیب، تمدن و علوم و فنون نے یورپی فضا میں ایک قسم خاص کی صورت اختیار کر لی اور یورپی ممالک کی رونق مجلس سیاسی اور اقتصادی سرگرمیوں سے ہے۔ آج یورپ کو مہد جمہوریت قرار دیا جاتا ہے، حالانکہ جمہوریت بطور نتیجہ ایک شکل میں اسلامی نظریہ سیاست ہے۔ کارل مارکس نے فلسفہ اشتراکیت کا سبق دیا مگر کون نہیں جانتا کہ اشتراکیت کا قاعدہ اسلام کے اصول مجالسی ہیں جن کی رو سے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر خلفائے راشدین کے زرین عہد میں خاص قسم کی جمہوری نظام سلطنت کی بنیاد رکھی گئی تھی جب کہ یورپ مجاہل عظلے کی حیثیت رکھتا تھا۔

دور قدیم میں لوگوں کی سرگرمیاں محدود تھیں پیش پا افتادہ افکار میں مقید تھے بجز اقطاع عالم کی وسعت پہ قدرت نہ رکھتے تھے جنگیں اس

قدر خوفناک اور وسیع و عریض پیمانے پر نہیں لڑی جاتی تھیں (دورِ جدید میں دنیا ایک بڑے شہر کی حیثیت رکھتی ہے۔ مختلف شہر اس کے گلی کوچے ہیں۔ بحر الکاہل، بحر ہند و بحر ظلمات میں لوگ سیر کو نکلتے ہیں۔ قطبین۔ کوہ ہمالیہ اور یورال کے اوپر سے ہوائی جہاز اڑتے ہیں۔ لندن، پیرس، برلن، روم، کلکتہ، بمبئی، ہانگ کانگ، ٹوکیو، نیو یارک اور شنگھائی ہر لحظہ گفت و شنید میں مصروف ہیں ٹیلی فون، ٹیلی وژن، ریڈیو سے انسانی صدائیں کرہ کے گرد گھومتی جاتی ہیں۔)

کیا ہم پھر دورِ قدیم کی طرف لوٹ سکتے ہیں؟ یا کیا ہمیں دورِ قدیم کی طرف لوٹنا چاہیئے؟ یقیناً نہیں دورِ قدیم اوقاتِ گزشتہ کا نام ہے، نہ ہم خود اس دور کی طرف واپس جا سکتے ہیں، اور نہ ہمیں جانا چاہیے۔ ع

آبِ رفتہ بجو نیاید باز

کیا دورِ جدید کا ارتقا غلط ہے؟ کیا ہم اسے صحیح کر سکتے ہیں؟ کسی دور کے ارتقا کو کیونکر روکا جا سکتا ہے؟ ارتقائے عالم ایک حقیقت ہے۔ ہاں ان قوتوں کا جائزہ لے کر ان سے نتائج پیدا کئے جا سکتے ہیں، اور ان نتائج پر اثر انداز ہونے کے لیے انسان کو قوائے عالم کے رخ بدلنے پر قدرت حاصل ہے۔



مشرق و مغرب

مشرق و مغرب ایک ہی کُل یعنی عالم کے دو جز ہیں۔ کُلی قوا دونوں اجزا پر ایک ہی طرح عمل کرتے ہیں، مگر جزئیات میں جانے سے ایک دوسرے سے فرق پیدا ہو جاتے ہیں۔ سب سے بڑا فرق جغرافیائی ہے مختلف اقطاعِ زمین بلحاظ اختلافِ ماحول یعنی جغرافیائی حالات سے ارضی نباتاتی اور حیوانی پیداوار میں اختلاف رکھتے ہیں، اسی طرح انسانی شکل و شباہت قد، رنگ اور تہذیب و تمدن میں بھی ایک دوسرے سے فرق رکھتے ہیں، اور ان نتائج کی نمود ماحول اور وراثت کے پیچیدہ قوا سے ہوتی ہے۔ انسانی وراثت کا گزشتہ نسلوں سے تعلق ہے، مگر ماحول بدلتا رہتا ہے کیونکہ انسان ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل و حرکت کرتا ہے۔ اس طرح اقوام ایک دوسرے سے خلط ملط ہوتی رہتی ہیں، اور ان کے افکار و معتقدات اور اخلاق ایک دوسرے پر اثر ڈالتے رہتے ہیں۔ انسانی تہذیب و تمدن، اخلاق و عادات عملی سرگرمیوں سے تغیر پذیر ہوتے رہتے ہیں۔

(دورِ قدیم میں انسان عملی دنیا میں اعصابِ انسانی سے کام لیتا تھا۔ دورِ جدید میں مشین سے کام لیا جاتا ہے) مشرق میں ابھی تک دورِ قدیم کی روایات پر عمل کیا جا رہا ہے۔ جدید تہذیب (جس کی بنیاد مشین پر ہے) کا اثر کرۂ عالم پر پھیل رہا ہے۔ پوچھا جا سکتا ہے، جدید تہذیب کی کیا قدر و قیمت ہے؟ کیا یہ پائندہ ہے؟ ممالک شرقیہ میں جو تبدیلی آ رہی ہے، کیا یہ بہتری کیلئے ہے؟ مشرقی تہذیب کی بنیاد روحانیت پر قرار دی جاتی ہے، اور مغربی تہذیب کو مادہ پرستی کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ دورِ قدیم میں مذاہب کا دور دورہ تھا چونکہ مذہب کی بنیاد روحانیت پر ہے، اس لیے عہدِ قبل مشین کے مذاہب میں امورِ دنیوی کو روحانی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، لیکن اس زاویۂ نگاہ میں اس قدر غلو سے کام لیا گیا کہ اس دنیا کی موجودہ زندگی کے مسائل کو نظر انداز کر دیا گیا کیونکہ قوائے فکریہ انسان کو لازماً عمل سے روکتے ہیں۔

مشرق نے مذہب کی پیروی میں روحانیت کو یہاں تک اہمیت دی کہ غربت اور مصائب کو روحانیت سے نسبت دی جانے لگی۔ مصائب کا برداشت کرنا جزوِ مذہب ٹھہرا، زندگی کی جدوجہد سے لوگ نفرت کرنے لگے، اور مذہبی مشاغل میں رہبانیت اختیار کی۔ مندر اور خانقاہیں آباد کیں ماحول کے تصادم کی تاب نہ لا کر بیکاری اور تسفل ذہنی کا شکار ہو گئے۔ اس دنیا کی زندگی سے نفرت پیدا ہو گئی اور آئندہ زندگی کی فکر میں اس دنیا کے مسائل کو بالائے طاق رکھ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عملی علوم قطعاً معدوم ہو گئے۔ اور ان سے دنیوی مشکلات کو حل کرنے کا خیال ناپید ہو گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ انفرادی

اور مجلسی زندگی عذاب ہو گئی۔ ہر کام کے لیے دستی مشقت اٹھائی جاتی جس کا نتیجہ غلامی کی صورت میں سامنے آیا اہرام مصر کی تعمیر بنی اسرائیل نے فراعنہ مصر کے زیر حکومت مزدور فرقہ کی حیثیت سے کی جس کی محنت شاقہ ایک لرزہ خیز افسانہ ہے۔ مشرق و مغرب کی عمارات قدیمہ سالہا سال میں جا کر تکمیل پذیر ہوتیں جس کے لیے لاکھوں مزدور لگائے جاتے اور پتھر توڑنے سے لے کر ہر نازک سے نازک کام مزدور ہاتھوں سے سرانجام دیتے۔ جہاز اور کشتیاں مزدوروں کی محنت سے بنائے جاتے۔ غرض یہ کہ ہر کام انسانی ہاتھوں سے سرانجام دیا جاتا۔ مذہبی لوگ مندروں اور خانقاہوں میں یادِ خدا میں پڑے رہتے اہل ثروت زیریں طبقہ انسان سے مزدوری لیتا جس سے دنیا میں پستیوں کی ابتدا ہوئی، اور ہندوستان میں بدترین قسم کی ذات پات کا نظام قائم ہوا مشرق مذاہب کا گھر ہے، یہاں کی قوموں کی تہذیب بالعموم مذہب سے وابستہ رہی، مذہب چونکہ ایک ہمہ گیر قوت ہے اس لیے زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہوتا ہے۔ مذاہب قدیمہ مشرق دنیا کو رنج و محن کا گھر جانتے تھے جس کی وجہ انسان کی ماحول سے معذوری تھی، کیونکہ مشرق کا فکری میلان تسخیر عالم کے مانع رہا۔ قومیں دماغی طور پر مفلوج ہو کر ایجادات کے دوائر میں مضمحل رہیں نتیجہ یہ ہوا کہ دماغی صرفیتوں نے مشکلات زندگی کو حل کرنے کی کوشش نہ کی۔ انسانی زندگی کی مشکلات ماحول کے تصادم سے شروع ہوتی ہیں۔ تسخیر ماحول کے لیے انسان کو آلات کی ضرورت ہے۔ اس حیثیت سے انسان آلہ ساز حیوان ہے، اور انہیں آلات کی ایجاد سے انسانی تہذیب کی ابتدا ہوتی

ہے یہ سچ ہے کہ تہذیب عالم کے ارتقا میں مصری، یونانی، بابلی، ایرانی، ہندی اور چینی قوموں نے مناسب حصہ لیا، اور انہیں اقوام کے خیالات و ایجادات نے دنیائے قدیم کے قصر ہستی کی تعمیر کی لیکن قرونِ وسطیٰ کے اختتام پر مغربی اقوام ایک نئی قوت سے متحرک ہو رہی تھیں، جو یورپ کی وحشی قوموں میں اسلامی علوم و فنون کے تعارف سے پیدا ہوئی۔ اس نے یورپ کے دل و دماغ میں انقلاب برپا کر دیا اس تاریخی دور کو نشاۃ ثانیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس انقلاب کے ساتھ علمی تحقیق کا دور شروع ہوا جس میں معتقدات ارسطو کو تتبع اور تجربہ سے بدل دیا گیا۔ انگلینڈ، اور فرانس و اٹلی میں ادارات سائنس قائم کیے گئے۔ "رائل سوسائٹی" چارلس دوئم کے عہد میں قائم کی گئی۔ گیلیو نے اپنے شاگردوں کی ایک کثیر تعداد اٹلی میں چھوڑی فرانس میں فانٹے نیل نے علم نجوم کو بحث و تمحیص کے لیے ایک دلچسپ مضمون قرار دیا۔ اس صدی کے اواخر میں جب کہ ایک ستارے کی نمود یورپ کے فرمانرواؤں کے لیے آفات کا پیش خیمہ معلوم ہوتی تھی، ابیل نے اس امر کے اعلان سے زمانے کو حیران کر دیا کہ بنی نوع انسان کے ذاتی معاملات سے ستاروں کو کوئی تعلق نہیں، علم کائنات میں امریکہ کی دریافت سے نہیں، بلکہ دوربین کی ایجاد سے انقلاب برپا ہو چکا تھا غرض یہ کہ سولہویں صدی کے متنازع فیہ مسائل کو آزادانہ علمی تحقیقات کی فضا میں حل کیا گیا، جس کا نتیجہ واٹ، مارس، بیل، ایڈیسن اور فورڈ جیسی عظیم المرتبت ہستیوں کی معلومات اور ایجادات میں رونما ہوا،

اور موجودہ دور کو عہود پیشین سے یکسر ممتاز کر دیا۔ دنیائے اسلام اپنی عظیم الشان روایات ایجاد کو جاری نہ رکھ سکی۔ مغربی لوگ خواص اشیا معلوم کرنے میں منہمک رہے، اور اس طرح بجلی اور بھاپ کے زمانے میں داخل ہوئے۔

مغرب نے گزشتہ دو صدی کے عرصہ میں ایک نئی تہذیب تعمیر کی ہے۔ علوم و فنون کو تنقید و شک کے نظریات سے نئے سرے سے مطالعہ کیا گیا۔ اور ان کی بنیاد تجربہ و مشاہدہ پر رکھی گئی۔ مذہبی، مجلسی، سیاسی اور اقتصادی دوائر میں اصلاح کی طرف توجہ کی گئی۔ اور ضروریات زندگی کا حل سب سے اہم سمجھا گیا۔

روحانی کیفیات کا آغاز ابتدائی ضروریات زندگی کی فراغت سے ہوتا ہے، جب کہ تہذیب و تمدن کی بلند تر قیمتوں کا لطف اٹھایا جا سکتا ہے تہذیب کی بنا بہت حد تک مادی ترقی پر ہے۔ جیسا کہ ایک چینی سیاستدان نے قریباً اڑھائی ہزار برس پیشتر کہا تھا: جب کھانا اور کپڑے خاص طور پر مہیا ہوں گے تو ننگ و نام میں تمیز کی جا سکتی ہے، جب گودام غلہ سے بھرے ہوں گے لوگ اچھے آداب سیکھ جائیں گے۔ دور جدید میں یہ سوال عام ہے کہ انتہائی غربت اور بے چارگی کی فضا میں اخلاقی اور روحانی تہذیب کی نشوونما کی کیونکر توقع کی جا سکتی ہے۔" (ہوشیہ)

مشرق و مغرب میں زندگی کو بے چارگی پر محمول کیا جاتا رہا۔ غربت اور بدحالی کو سراہا گیا، حتیٰ کہ زندگی کو چنداں اہمیت حاصل نہ رہی۔ تہذیب مغرب

نے جس کا انحصار مشین پر ہے، صورتِ قدیم کو بدل دیا ہے۔ زندگی کو نئے زاویۂ نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔ اس کی عظمت کی ستائش کی جا رہی ہے۔ غربت کو گناہ سمجھ کر اس سے جنگ لڑی جا رہی ہے۔ گزشتہ دو صدیوں کی ایجادات نے تسخیر عالم میں بے حد مدد دی ہے۔ بحیثیت مجموعی زندگی آسان تر اور زیادہ خوشگوار ہو گئی ہے۔ محنت سے نجات حاصل ہو رہی ہے۔ بحر و بر کو ناپا جا رہا ہے۔ کرۂ ہوائی انسانی سرگرمیوں کی جولانگاہ بنا ہوا ہے۔ برق کو پابزنجیر کر لیا گیا ہے۔ مادی اشیا سائنس اور مشین سے مسخر کی جا رہی ہیں۔ مشرق و مغرب میں انسان کے یقین اور خود اعتمادی میں اضافہ ہو رہا ہے اور مذہب عمومی انسان کی حقیقت کے سامنے سر تسلیم خم کر رہا ہے۔

روح زمان و تہذیب

انسان فطری طور پر اظہارِ ذات اور ماحول پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اظہارِ ذات ذہنی اور جسمانی محرکات کی نمود ہے اور ماحول پر غلبہ حفظِ ذات اور بقائے نوع کے لیے حاصل کیا جاتا ہے، دونوں صورتوں میں انسان اپنے اعمال کی آزادی چاہتا ہے، لیکن زمانے کی قوتیں اندھی ہیں، اور وہ اپنے عمل میں کسی کی پاسدار نہیں اس لیے انسان کو قوتِ مدافعت کی ضرورت ہے، تاکہ قوائے عالم کو تسخیر کیا جائے۔ اس کے لیے بیک وقت ذہنی اور جسمانی قوت کی ضرورت ہے کہ ذہن اور جسم کے تعمیری قوا کے ارتقا کا دوسرا نام تہذیب ہے۔ تہذیب ایک جامع لفظ ہے (اور مختلف طبقاتِ انسانی کے ساتھ مختلف قسم کے معیار پیش کرتا ہے) چنانچہ آریائی، سیماطیقی، مصری، اور چائی اقوام میں سے ہر ایک خاص قسم کی تہذیب سے مشہور ہے۔

(ظاہر ہے کہ تہذیب کی بنا انسانی فطرت کے اظہار پر ہے اور اس کے لیے مناسب ماحول اور قوت کی ضرورت ہے، اس لئے تہذیب کی تربیت

قوم کی قوت پر موقوف ہے اگر کوئی قوم جسمی اور ذہنی طور پر نحیف ہے، تو اس کے تہذیب و تمدن سے کمزوری اور ناپائیداری ملزوم ہو گی اور طاقتور قوموں کے تہذیب و تمدن مضبوط اور پائندہ ہوں گے دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ طاقتور اور جفاکش قوموں کے تہذیب و تمدن تعمیری قوا سے پرورش پاتے ہیں، اور کمزور اور خستہ قومیں بے چارگی اور غربت کے تخریبی قوا سے تہذیب و تمدن کی تربیت کا سامان مہیا کرتی ہیں جس طرح تنازع للبقا میں قوی اور جری قومیں معرکہ حیات میں کامیاب نکلتی ہیں، اور کمزور قومیں مقابلے کی تاب نہ لا کر آہستہ آہستہ صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہیں اسی طرح تہذیب و تمدن موروثی کمزوری کی وجہ سے مجالس انسانی میں نابود ہو جاتے ہیں، اور ان کی جگہ دوسری قسم کے تہذیب و تمدن رونما ہو جاتے ہیں اور اسی طرح فطری قوا کے ماتحت مختلف دور ایک دوسرے کے تعاقب میں آتے جاتے رہتے ہیں۔

زمانے کے تغیر و تبدل سے مختلف قومیں مختلف وقتوں میں ترقی کرتی ہیں جس کے لیے خاص ماحول اور قوا ذمہ دار ہوتے ہیں، اور اس قسم کے تغیر کی مثال ایک بحر بے پایاں کی سی ہے جس کے مختلف حصوں میں مختلف وقتوں میں تموج رونما ہوتا ہے، مد و جزر ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہیں طوفان بحر بذات خود ایک قوت ہے کیونکہ طوفان حرکت سے پیدا ہوتا ہے سکون بحر ایک منفی (سالبہ) قوت ہے۔ طوفان ایک قسم کا تغلب ہے۔ اسی طرح اقوام جسمانی اور ذہنی حیثیت سے اوقات مرہونہ میں تغلب چاہتی ہیں اول الذکر صورت میں سیاسی تغلب یعنی حکومت حاصل ہوتی ہے

اور موخّرالذکر میں تہذیب و تمدن کا تغلب حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ یہ دونوں صورتیں اسی قوت سے پیدا ہوتی ہیں، جو کہ بذات خود مرہون ادقات ہے اس قوت کے زیرِ اثر کرۂ عالم کی قومیں ایک دوسرے کے مقابلے میں سرگرم عمل رہتی ہیں، حتیٰ کہ ان میں سے بعض اقتدار و تغلب میں سبقت لے جاتی ہیں، اور دوسری قومیں ان سے پیچھے رہ جاتی ہیں، اور نوائے عالم کی مجبوری سے انہیں تیز گام قوموں کی پیروی اور متابعت کرنی پڑتی ہے وہ ہمہ گیر قوت جس کے ماتحت اقوام عالم کا ایک خاص گروہ اظہارِ ذات اور ماحول کی تسخیر میں دوسروں سے گوئے سبقت لے جاتا ہے۔ اسے روحِ زمان کے فلسفیانہ نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے، کیونکہ زمانے بھر کی قوتیں اسی قوت کے ماتحت ارتقائی منازل طے کرتی ہیں۔ یہ روح مختلف قوموں کے ساتھ مختلف اقطاع زمین میں حرکت کرتی رہتی ہے اس طرح مختلف ادقات و اقطاع میں مختلف قومیں مختلف تہذیب و تمدن کے ساتھ نظامِ عالم میں تغلب حاصل کرتی ہیں۔ روحِ زمان حقیقت میں طاقتور اور سربلند اقوام کے آہنی جسم اور فکر بلند کی نگہداشت کرتی ہے۔ یونہیں یہ ان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے، ان کا آہنی جسم پرکاہ کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے، اور فکر بلند پستی کے منازل طے کرنے لگتا ہے۔

ایامِ قدیم میں وسطِ ایشیا کی قومیں چاروں طرف پھیل گئیں۔ یقیناً انکی حرکت کی وجہ تسخیر ماحول اور اظہارِ ذات کے محرکات تھے۔ ان کے خاص قسم کے ماحول نے ان کو سخت اور جفاکش بنادیا تھا کہ وہ یورال سے آگے نکل کر انہوں نے

یورپ میں غلبہ حاصل کر لیا اور مختلف حکومتوں کی بنیاد ڈالی۔ ایران اور ہندوستان
میں فارسی اور سنسکرت زبانوں کی تہذیب پیدا کی، اور ان ممالک کے قدیم
باشندوں کو مغلوب کر کے ان کے تہذیب تمدن کو مٹا دیا یہ تہذیب جو کہ آریائی
تہذیب کے نام سے مشہور ہے، وسط ایشیا کے بلند قامت اور جفاکش گروہ انسانی
کی یادگار ہے جس نے کئی ایک دور دیکھے ہیں یہاں تک کہ آج ہر ہٹلر المانوی
قوم کی ترقی میں بظاہر آریائی تہذیب کا شدت سے پیرو ہے (اگرچہ اس کی فطرت
قریباً منگولی ہے) یورپ کی بہت سی قومیں اس تہذیب کے نام کی والہ و
شیدا ہیں، اور اس کے مقابلے میں دوسرے اقسام تہذیب سے رو گرداں
ہیں۔ آریائی تہذیب جس جس ملک میں پہنچی وہاں کے ماحول میں فضا کی
موافقت کے مطابق پرورش پاتی رہی۔ یورپ میں خوراک مشکل سے
حاصل ہوتی تھی ملک سرد تھا اس لیے وہاں کے لوگوں کو حالات نے سختی
اور جفاکشی پر مجبور کیا۔ ایران اور ہندوستان میں خوراک کا مسئلہ اس قدر مشکل نہ
تھا اس لیے لوگ قدرتی طور پر محنت اور جفاکشی کی عادت چھوڑ بیٹھے، نیز
یہاں کی گرم آب و ہوا نے یہاں کے باشندوں کو سست بنا دیا جس کا تہذیب
و تمدن پر براہ راست اثر پڑا یہ قومیں مذہب کی خاص طور پر دلدادہ تھیں
دیوی دیوتاؤں کی پرستش ان کا خاصہ رہا ہے۔

ایران کے خاص ماحول نے ایرانیت کا مظاہرہ کیا یعنی عہد قدیم میں یہ
لوگ بہترین سپاہی اور اعلیٰ فکر و فراست کے مالک تھے، مگر مرور اوقات سے
قوم نے ایک خاص قسم کا تخیل پیدا کیا جس کے علم بردار خیام، حافظ اور

دیگر شعرا و صوفیائے ایران ہیں۔ اس تخیل نے شعر کی صورت میں نہ صرف ایران
بلکہ ہندوستان، ترکستان اور عراق میں تہذیب و تمدن پر بے پناہ اثر ڈالا لوگ
زندگی کی کشمکش سے کنارہ کش ہونے لگے۔ سامی الطبعی اقوام جن میں ممالک
عربیہ کے یہود و نصاریٰ اور مسلمان شامل ہیں، اپنے ملک و نضا کے اعتبار سے
ایک یا دوسری تہذیب کی مالک ہیں۔ آریائی اقوام کی طرح ان میں بھی مذاہب
کا دور دورہ ہے مگر خدا کی واحدنیت کے قائل ہیں پیغمبر اور بہشت کو ان کے عقائد
میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ چونکہ یہاں زندگی بسر کرنے کیلیے ماحول کو
زیر کرنے کی ضرورت ہے، یعنی تلاش خوراک میں مشکلوں کا سامنا ہوتا ہے۔
اس لیے یہاں کے لوگ عملی ذوق رکھتے ہیں ان کے علوم و فنون و مذاہب
میں عمل کو بہت دخل ہے۔ یہاں کے شعرا و فلاسفہ کے اں عجمی شاعری کا تصوف
آمیز عنصر کم پایا جاتا ہے۔ سامی الطبعی قومیں چونکہ سمندر کے قریب رہتی تھیں، اس
لیے خوراک کی تلاش میں بحری سفر اختیار کیئے گئے اس سلسلہ میں دوسرے
ممالک کو فتح کیا گیا، اور وہاں پر اپنے تہذیب و تمدن کو پھیلانا شروع کیا،
حبشی لوگ چونکہ جنگلات میں رہتے تھے، اور ان کے ذہن نے دوسری قوموں
کے مقابلہ میں ایسے قوا نے تربیت نہ پائی تھی، اس لیئے دوسرے ممالک
کی طرف رخ نہ کر سکے علاوہ ازیں چونکہ وہ لوگ خود تہذیب و تمدن کے ابتدائی
دور میں سے گزر رہے تھے، اس لیے دوسرے ممالک کو فتح کرنے میں اپنے
تہذیب و تمدن کو نہ پھیلا سکے، بلکہ خود مغلوب ہو گئے۔

منگولی قوم میں ایشیا کی دوسری اقوام سے دور افتادہ ہونے کی وجہ سے

ایک خاص قسم کی تہذیب کی نشو و نما ہوئی، جو بعد میں بدھ مذہب سے مغلوب ہوئی۔ چینی اور جاپانی قوموں کو ایشیا کی دوسری قوموں سے ملنے کا کم موقع ملا، مگر مشرقی ترکستان کے مغلوں نے ایشیا اور یورپ دونوں براعظموں میں بے شمار ملکوں کو فتح کیا اور عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں، ہندوستان میں سلطنت مغلیہ اسی قوم کی یادگار ہے۔

عرب، مصر، ایشیائے کوچک، بابل، عراق، فنیقیہ، کارتھیج، یونان، روم ہند و چین میں مختلف تہذیب و تمدن پیدا ہوئے، زمانے کے دست تغیر نے آہستہ آہستہ انہیں مٹایا اور ان میں نئے رنگ و بو پیدا ہوئے۔ اس کا نام ارتقا ہے۔ قومیں اصولی طور پر اپنی اپنی فطرت کے مطابق تہذیب کی پرورش کرتی رہتی ہیں، اور اس میں قدامت کو ایک عرصہ تک محفوظ رکھا جاتا ہے، مگر آہستہ آہستہ ایسی تبدیلیاں آتی جاتی ہیں کہ قدامت کا پتہ نہیں چلتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب و تمدن میں نشو و نما کو دخل ہے۔ ایک ہی تہذیب کو ہمیشہ کے لیے نشو و نما کے بغیر زندہ نہیں رکھا جاسکتا، کیونکہ تہذیب و تمدن اقوام کے اخلاق و عادات کے تغیر و تبدل اور ماحول پر مبنی ہیں، اقوام کے ظاہری نام وہی ہو سکتے ہیں، لیکن ان کے مجلسی اور ذہنی دائرہ میں پے بہ پے تغیر آتا رہتا ہے۔ مثلاً آج بھی یونانی، رومی، قبطی، فنیقی و ترک، کرد، ایرانی، تاتاری، مغل، سلجوقی، افغان وغیرہ ناموں سے ایک خطہ کے لوگوں کا تصور ذہن میں آتا ہے، اور آج سے ہزار سال پیشتر بھی اسی قسم کا تصور سامنے آتا تھا، لیکن مرور اوقات سے انسانی جسم و ذہن اور ماحول کے قواکے باہمی عمل سے جو تغیر رونما ہوتا رہتا ہے

اس سے فروعی طور پر قوموں کے تہذیب و تمدن میں فرق آتا رہتا ہے، یعنی کہ تہذیب و تمدن بھی ارتقائی منازل طے کرتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ تہذیب کو کسی خاص قوم سے تعلق نہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ کسی تہذیب کو ایک خاص قوم ہی معراج کمال تک پہنچائے بلکہ عالم انسانی کا ایک خاص حصہ ایک خاص دور میں تہذیب کو پیدا کرتا ہے اور یہ عین ممکن ہے کہ دوسری قومیں اسی تہذیب کو لے کر ارتقائی دور میں سے گزریں، تہذیب و تمدن قوموں کے اندر خود بخود نشو و نما پاتے ہیں۔ اور روح زمان ان کی رہنمائی کرتی ہے۔

(تہذیب کے بقاء و فنا میں عسکریت امن و جنگ، سرمایہ اور غربت کو بہت بڑا دخل ہے جس طرح انسانی جسم کی صحت و بقا کے لیے ورزش کی ضرورت ہے اسی طرح قوموں کو صحت جسمانی کے لیے حرکت کی ضرورت ہے ضرورت سے زیادہ طویل عرصے کے لیے امن قومی جسم کو کمزور اور نحیف کر دیتا ہے، دل و دماغ بوسیدہ ہو جاتے ہیں۔ اس کی درستی کے لیے قدرت نے اقوام میں جنگ کا مادہ رکھا ہے، اور جنگ سے قوموں کی باہمی صحت محفوظ رہتی ہے) طاقتور قومیں نہ صرف اپنی ذات کا تحفظ کرتی ہیں بلکہ کمزور قوموں کو غلام بنا کر ان سے خدمت لیتی ہیں، کیونکہ کمزور قومیں اپنے آپ کو دوسری قوموں کے دست تغلب سے نہیں بچا سکتیں، اس لیے انہیں غلام بنا لیا جاتا ہے یہ فطرت کی طرف سے ان کی کمزوری کی سزا ہے تاکہ وہ اپنی کمزوری اور غلامی کی لعنت کو محسوس کریں اور دوبارہ اپنی گم شدہ قوت کو حاصل کریں۔ کمزور قوموں

کے لیے کرۂ ارض پر کوئی جگہ نہیں کیونکہ اگر وہ خود اپنی نگہداشت نہیں کریں گی تو دوسری قومیں انہیں مغلوب کر کے حفظِ ذات کیلئے مجبور کریں گی۔ قدرت نے اس حقیقت کو عملی جامہ پہنانے کے لیے قوموں کے اندر عسکری عصبیت پیدا کر دی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ قومیں بالواسطہ اپنے تہذیب و تمدن کی حفاظت کرتی رہتی ہیں جب تک انسان کے محرکات ذہنی عسکریت کی طرف مائل ہیں تب تک جنگ کی انسانی دنیا میں اشد ضرورت رہے گی۔

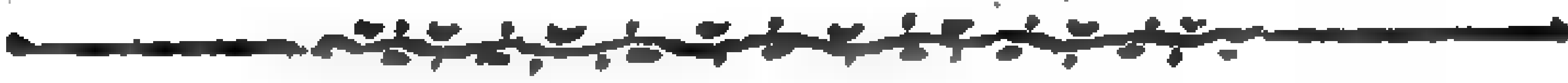
تہذیب کا انحصار بہت حد تک غربت پر ہے، اگر غربا سرمایہ دار طبقہ کی خدمت کے لیے موجود نہ ہوں، تو تہذیب خطرے میں پڑ جائے چنانچہ مشرق و مغرب میں آج تک لاتعداد غریب مزدور سرمایہ دار و نیکے رحم پر تہذیب کے محل تعمیر کرتے رہے۔ چونکہ سرمایہ دار لوگ خود محنت سے قاصر ہوتے ہیں، اس لیے مجلسی ضروریات کو غریب مزدور پورا کرتے ہیں۔ موجودہ دور میں جب کہ مغرب میں سرمایہ اور محنت نے منظم صورت اختیار کر لی ہے، موجودہ تہذیب کے لیے عجیب و غریب مشکلات اور خطرات پیدا ہو گئے ہیں۔

دو سو سال پیشتر جب کہ مغربی تہذیب اس قدر عروج پر نہیں پہنچی تھی، مشرقی لوگ حسبِ دستور تہذیب و تمدن سے مطمئن تھے۔ لیکن مغربی قوموں کو روحِ زماں نے بیدار کر رکھا تھا۔ جیسے منگولوں نے یورپ پر حملہ کیا تھا، اور تمام یورپ اُسے ایک مشترک

خطرہ سمجھ کر ان کے مقابلے کے لیے آیا تھا، اب مغربی قوموں نے ایشیائی ممالک کو آ گھیرا۔ مشرق میں مذہب کے غلط مفہوم اور خانہ جنگی سے جہالت کا دور دورہ تھا، اس لیے ایشیائی اس مصیبت عظمےٰ کا متفقہ طور پر مقابلہ نہ کر سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی آزادی کے ساتھ اقتصادی بدحالی کا شکار ہو گئے۔ غلامی اور اقتصادی پریشانی سے ایشیائی تہذیب کو ناقابل برداشت صدمہ پہنچا۔ مغرب میں نشاۃ ثانیہ سے قرون وسطیٰ کی ظلمت دور ہو چکی تھی، جغرافیائی معلومات نے اُن کے حوصلے بڑھا رکھے تھے۔

مشرقی ممالک بالخصوص ہندوستان کے زر و جواہرات نے انہیں مشرقی سمندروں کا سفر اختیار کرنے کے لیے مجبور کیا۔ مٹھی بھر بحری تاجروں نے مشرقی ممالک کے ساحلوں پر تجارت کے لیے قبضہ حاصل کیا۔ اور مختصر سے عرصہ میں اُن قوموں کو جب کہ وہ تخریبی منازل طے کر رہی تھیں، مغلوب کر لیا، یہاں سے مشرقی اور مغربی تہذیب کا تصادم شروع ہوا۔ مغربی تہذیب خاص احوال کی پیداوار ہے۔ اس کی بنیاد سرمایہ اور مشین پر ہے۔ مشرقی تہذیب کی بنیاد روحانیت اور غربت پر ہے۔ جس میں مشرقی لوگ انتہا تک پہنچ چکے ہیں مشرقی اور مغربی تہذیب کی آمیزش سے ایشیائی لوگوں کے دل

دماغ خاص طور پر متاثر ہو رہے ہیں۔ ہمارے ماحول میں ایک نیا عنصر شامل ہو چکا ہے۔ جس سے متاثر ہونا لازمی ہے، عہد رواں کے مسائل کو روحِ زمان کی سرگرمیوں کے پیش نظر حل کیا جا سکتا ہے +



تبدیلِ زماں

نظامِ عالم کی حرکت تغیر میں جلوہ افروز ہوتی ہے۔ اسی تغیر پر اس نظام کی صحت کا دارومدار ہے۔ شب و روز کے حوادث عالم کے اقتضائے اظہارِ ذات سے معرضِ وجود میں آتے ہیں۔ تغیر اشیائے عالم کو موافقت کے لیئے مجبور کرتا ہے۔ کارخانۂ موجدات کے ہنگامہ سے طبقاتِ انسانی میں انقلاب برپا رہتا ہے۔

تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

تغیر کے بنیادی اصول ایک ہی ہیں۔ اور مختلف دوائر میں ایک ہی حکمت کے ماتحت نتائج پیدا کرتے ہیں۔ چونکہ مبدأ تغیر سے ایک ہی قوت سارے عالم کو حرکت میں لاتی ہے۔ اس لیئے کلی اور جزدی دوائر میں کوئی تناقض نہیں آتا۔ تغیر سے ارتقا کی حقیقت کھلتی ہے۔ اشیا اپنے ماحول خصوصی میں ارتقا سے اپنی قوت کے مطابق انتہائے کمال کو پہنچتی ہیں اس کے معنی ایسا تغیر نہیں کہ اشیا اپنے دائرہ ذات کو چھوڑ کر کسی دوسرے

دائرے میں داخل ہو جائیں، بلکہ ارتقائی دور میں سے گزر کر اپنی قوت ذات کو اظہار کا موقع دیتی ہیں۔ اس قسم کے اظہار کے لیے ناموافق حالات میں سے گزرنا تنزل کا باعث ہوتا ہے۔ اشیائے عالم تغیر سے ارتقائی بلندیوں کی مسافت طے کرتی ہیں، اور اس کے لیے انہیں مطابقت سے کام لینا پڑتا ہے۔ موافقت ماحول کے قوا کا نتیجہ ہے۔ تغیر کے پیش نظر ذی روح اجسام بقائے ذات کے لیے گرد و نواح کی قوت کے مقابلہ میں فطری طور پر ایسے لوازم و عادات اختیار کرتے ہیں جن سے ان کی حیات کو بقا حاصل ہوتی ہے۔ مکانی اثرات اور تبدیلی سے کائنات پر گہرا اثر پڑتا ہے۔

منطقہ معتدلہ اور زیادہ بارش کے علاقوں کے مقابلہ میں گرم خشک ممالک کے درختوں کی جڑیں زیادہ گہری اور چھال زیادہ سخت ہوتی ہے تاکہ زمین سے نمی حاصل کر سکیں، اور گرمی سے تنے کو محفوظ رکھ سکیں، معتدل علاقوں کے درخت ان خطوں میں جہاں سخت سردی پڑتی ہے، خشک ہو جاتے ہیں۔ قطبین کے قریب کے درخت منطقہ حارہ میں تنازع للبقا میں ناکام رہتے ہیں۔ انگلستان کے خاص پھولوں کیلیے ایک خاص قسم کی آب و ہوا اور حفاظت کی ضرورت ہے۔ قطب شمالی کے ریچھ کی کھال کے بال زیادہ لمبے اور گھنے ہوتے ہیں۔ ریگستانی علاقوں کا اونٹ بھوک اور پیاس کو زیادہ دیر کے لیے برداشت کر سکتا ہے۔ افریقہ کا شترمرغ دوسرے پرندوں کے مقابلہ میں شدت گرما اور خوراک کی نایافت کا زیادہ مقابلہ کر سکتا ہے۔ شمالی علاقوں کے روسی لوگ سردی برداشت کرنے کی خاص اہلیت

رکھتے ہیں۔ صحرائے اعظم کے باشندے گرمی کا آسانی سے مقابلہ کرتے ہیں۔ فرنگی لوگ ہندوستان میں موسم گرما کی تاب نہ لا کر دارجیلنگ، شملہ، سری نگر اور نیلگری میں مقام کرتے ہیں۔

جس طرح ذی روح اجسام ماحول اور تغیر کی عالمگیر قوتوں سے جسمانی موافقت کے لیے مجبور ہوتے ہیں اسی طرح ان کے ذہنی عادات خصائل ایک خاص قسم کے سلوک کے لیے ممیز ہوتے ہیں۔ مثلاً چھوئی موئی کا پودا لقائے ذات کے لیے اس قدر حساس ہے کہ ذرا سا ہاتھ لگانے سے پاکدامن، حیا کوش دوشیزہ کی طرح سمٹ جاتا ہے۔ بہت سے پھول دینے والے پودے مثلاً سورج مکھی روشنی کی تلاش میں سورج کی طرف چہرہ نما رہتے ہیں جانوروں میں ہرن اور خرگوش خطرے کے احساس میں زندگی بسر کرنے سے بزدل اور متوحش رہتے ہیں۔ دور سے اور معمولی سی آہٹ سننے کیلیے قدرت نے انہیں لمبے لمبے کان عطا کئے ہیں۔ قوتِ شامہ اس قدر تیز ہے کہ خطرے تک کو سونگھ لیتے ہیں۔ عادات و خصائل کے سلوک کی یہ تخصیص حیوانی طبقہ تک محدود نہیں بلکہ طبقاتِ انسانی میں بھی بقدر اختلاف پائی جاتی ہے۔ دونوں صورتوں میں ایک ہی اصول کارفرما ہے۔ اہل ہند تخیل اور کاہلی اور نفاق کے لیے مشہور ہیں۔ ایرانی عقل و دانش اور فہم و فراست کے لئے ممتاز ہیں۔ عرب شجاعت اور سخاوت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ خدمت اور فرمانبرداری کے لئے حبشی لوگ پسند کئے جاتے ہیں۔ ترک جوانمردی اور عسکریت سے موصوف ہیں۔ مغل جنگجو حکومت اور بہادری کے لیے خاص شہرہ رکھتے ہیں

انگریز قدامت پسند، جفاکش، خود دار اور خشک مزاج، فرانسیسی ترقی پسند گرمجوش، علوم و فنون کے شوقین اور حریت پسند المانوی عسکریت، اور بربریت قیادت کے دلدادہ ہوتے ہیں۔

جس طرح مکانی تاثرات سے موجودات میں خاص قسم کے نتائج پیدا ہوتے ہیں، تبدیل مکان سے اشیاء دوسرے ماحول میں موافقت کے لیے مجبور ہوتی ہیں، اسی طرح زمانی تاثرات اور تبدیل زمان سے نظام عالم میں قدرت کی سرگرمیاں عجیب و غریب نتائج معرض ظہور میں لاتی ہیں۔ تبدیل مکان سے بیشتر جغرافیائی تبدیلی مراد ہے۔ مثلاً عرب لوگ اپنے ملک سے نکل کر ایران و توران، ہند و مصر اور ہسپانیہ میں پھیل گئے۔ مغربی لوگ مشرقی ممالک میں آ کر خیمہ زن ہوئے، یہ واقعات تبدیل مکان کا حکم رکھتے ہیں، مگر تبدیل زمان اوقات کی آمد و رفت کا دوسرا نام ہے۔ محض وقت کے گزرنے سے اگرچہ جغرافیائی ماحول میں فرق نہیں آتا، اشیا میں تغیر و تبدل کی فروعی صورت بدل جاتی ہے، اور یہ حقیقت طبقات انسانی میں بھی رونما ہوتی ہے۔ اگر کسی طبقہ انسانی کا ماحول بدستور ایک ہی رہے، پھر بھی تغیر کے شعبدہ باز ہاتھوں سے کچھ وقت گزرنے کے بعد نظام مجلسی میں ایک ایسی حد آپہنچتی ہے، جہاں تغیر خلاف توقع صورت اختیار کر لیتا ہے اس کی بنیاد سادہ تغیر کے آہستہ اقدام میں پنہاں ہوتی ہے، لیکن اس کے نتائج احوال پیشین سے متغائر ہو کر ایک نئی دنیا کا حکم رکھتے ہیں اس جدت کو قدامت سے سوفی صدی نسبت ہے، کیونکہ یہ جدت قدامت کی دوسری شکل ہے، یعنی کہ حقیقت لباس بدلتی رہتی ہے جیسے بچپن کے

کپڑے جوانی میں قامت پر راست نہیں آتے، اسی طرح ادوارِ گزشتہ کے ملبوسات عہدِ نو کی فضا میں نئی تراش و وضع چاہتے ہیں۔

تبدیلِ زماں سے جہاں بقدرِ ضرورت اجسام کی بیرونی وضع میں تغیر و تبدل آتا ہے۔ وہاں ذہنی محرکات و رجحانات اور عادات و خصائل میں بھی فرق آتا ہے۔ چونکہ انسان کے افکار و معتقدات اور عملی سرگرمیاں جن سے مراد انسانی تہذیب و تمدن ہے ذہنی محرکات و عادات کے تابع ہوتی ہیں اس لیے تبدیلِ زمان کا تہذیب و تمدن، دائرہ مجلسی پر بے حد اثر پڑتا ہے۔ چونکہ تبدیلِ زمان کے اثرات تخریبی و تعمیری ہر دو صورتیں اختیار کر سکتے ہیں اس لیے تہذیب و تمدن کے زوال و ارتقا میں تبدیلِ زمان کے ساتھ ساتھ ذہنی محرکات نشیب و فراز میں سے گزرتے رہتے ہیں۔ یہ امر قابلِ وضاحت ہے کہ تغیر سے ہماری مراد اصولی تغیر نہیں، بلکہ فروعی ہے۔ ذہن، مذہب مجلس اور دیگر دوائرِ انسانی اس قسم کے تاثرات سے ارتقا کے احکام کے تابع ہیں اصولی حقیقت نہیں بدلتی، بلکہ اس کے دور افتادہ فروعات میں حالات مناسبت کا تقاضا کرتے ہیں۔

دورِ قدیم کے ذہنیات علم اشیا کے محدود ہونے کی وجہ سے ایک تنگ دائرہ سے مشابہت رکھتے تھے۔ آمد و رفت کے ذرائع محدود تھے، اس لیے علم الارض بھی محدود تھا۔ صنعت و حرفت بس ابتدائی دستگاہ رکھتے تھے، اس لیے تسخیرِ عالم سے معذور ہو کر زیادہ عادی تھے تغیرِ انسانی دوائر میں آہستہ آہستہ کار فرما رہا۔ تجربہ و مشاہدہ سے

انسانی ذہن میں ارتقا کا دور جاری رہا۔ افکار و اوہام میں سینکڑوں قسم کے تغیر پیدا ہوئے، اور آہستہ آہستہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔

ایک زمانے میں زرتشتی مذہب کا عجمی ممالک میں تسلط تھا توران و خراسان، افغانستان و پارس میں جابجا آتشکدے روشن تھے۔ زرتشتی لوگ ایک خاص قسم کا فلسفہ رکھتے تھے، جس میں یزدان و اہرمن ممتاز ہیں، لیکن ایک وقت کے بعد ان ممالک میں یہ مذہب افسانہ ہو گیا۔ قدیم ہندو تہذیب کو بدھ اور جین مذاہب نے دبایا، جو بعد میں خود بخود ہندو تہذیب کے احیائے ثانی پر محو ہو گئے۔

بدھ مذہب نے تبت اور چین میں پر پھیلائے۔ یہودیت پر عیسائیت نے فروغ حاصل کیا۔ اور تمام مذاہب قدیمہ پر اسلام کی حقیقت عظمیٰ غالب آ گئی۔ اس سے ہماری مراد یہ نہیں کہ تمام مذاہب یا طریقہ ہائے فکر ایک دوسرے کو کلیۃً مٹاتے رہے، بلکہ اس امر کو واضح کرنا ہے۔ کہ ذہن انسانی تہذیب انسانی کے قیام و ارتقا کے لیے تغیر اوقات کے ساتھ ساتھ ارتقار فکر کے مدارج طے کرتا ہے، اور حقیقت کو زیادہ روشن اور مجسم صورت میں دیکھنے کا فطری تقاضا رکھتا ہے۔

تبدیل زمان کے نتائج سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تہذیب انسانی کے تحفظ کے لیے تغیر کے اثرات کو دیکھتے رہنا چاہیئے، اور تخریبی قوا کی مدافعت کے لیے تعمیری سرگرمیاں عمل میں لانی چاہئیں۔ چونکہ زمانہ کی

بنیاد تغیر پر ہے، اس لیے تغیر کو روکا نہیں جا سکتا، بلکہ اس کا رُخ بدلا جا سکتا ہے۔ اقتضائے فطرت کے اصولی مطالبات کو پورا کرتے ہوئے اس کے فروعات میں دخل دیا جا سکتا ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ نتیجہ حقیقت کا مرتبہ رکھتا ہے کہ کسی طریقۂ فکر یا نظام انسانی کی بقا کے لیے اس کو ارتقا میں مدد بہم پہنچانی چاہیئے۔ اور اصول کو قائم رکھتے ہوئے اس کی نشو و نما کے لیے مناسب فضا اور ضروریات مہیا کرنی چاہییں۔ زمانہ تبدیل اوقات پر قائم ہے اور تبدیل اوقات کے ساتھ وہ بعض اثرات سے ہم آغوش ہے۔ ان اثرات کو نظام انسانی کی تعمیر میں مفید بنایا جا سکتا ہے۔ اُن کا سدباب ناممکن ہے۔ اس قسم کے اقدام سے نظام انسانی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ آج تک جس قدر انسانی ادارے فنا کے گھاٹ اتر چکے ہیں، اُن کی وجہ ایک یا دوسری صورت میں تبدیل زمان تھی۔ یہ ادارے ایک درخت کی طرح جو چند سال باغ میں سرسبز رہ کر خود بخود مرجھا کر خشک ہو جاتا ہے، محض اوقات کے گزرنے پر معدوم ہو گئے جس طرح ایک درخت کے سوکھ کر گر پڑنے سے تمام باغ نیست و نابود نہیں ہو سکتا، اُسی طرح ایک ادارے کے فنا ہونے سے ایک خاص طبقۂ انسانی کی تہذیب معرض خطر میں نہیں پڑ جاتی۔ ہاں اگر مختلف ادارے کثیر تعداد میں بیکار ہو کر فنا ہو جائیں تو اس طبقۂ انسانی کی تہذیب بھی خطرہ میں پڑ جائے گی اور یہ تہذیب بعد از گزشت ہو جائے گی۔

طبقات انسانی کی بقا عمل پر ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ کسی قوم کو صدیوں کا فلسفہ جس کی بنا معقولیت پر ہو، زوال سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ یونان کے تمام فلسفی یونانی تہذیب کو فنا کے عمل سے نہ بچا سکے۔ رومیوں کی عظیم الشان

سلطنت اور اُن کی نام نہاد تہذیب کے قانین اُن کے اقتدار و تغلب کو محفوظ نہ رکھ سکے۔ چینی قوم کا وہ دائرۃ المعارف (انسائکلوپیڈیا) جو کئی سو مجلدات پر مشتمل تھا، چین و جاپان کے موجودہ عسکری مقابلہ میں چین کو پرکاہ کے برابر مدد نہ دے سکا۔

تبدیل زمان کے پیش نظر نظام عالم کی قوتوں کا جائزہ لے کر تغیر کے ساتھ ساتھ جدوجہد کیے تہذیب و تمدن کے قصور کو زمانے کی دستبرد سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے، ورنہ اقوام زمانے کی اندھی قوتوں کے رحم پر اوقات بسر کرتی ہیں تہذیب و تمدن ایک زندہ نظام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں نشو و نما کو دخل ہے" ان کی تعمیر و تخریب کے لیے قومیں بہت حد تک خود ذمہ دار ہیں،

سہ
قومے بجد و جہد گرفتند وصل دوست
قومے دگر حوالہ بہ تقدیر می کنند

حافظ شیرازی

اسبابِ زوالِ اسلام

تبارک الذی بیدہ الملک

چھٹی صدی عیسوی میں جب کہ روئے زمین پر یونان و روم، مصر و ایران اور ہند و چین کے ممالک میں ایک یا دوسری تہذیب کا اقتدار تھا، اور قومیں باہمی تغالب اور تصادم کے فطری جذبات سے ایک دوسرے سے اُلجھ رہی تھیں، عرب کے ریگستان سے عالم کی رہنمائی کے لیے حضور سرورِ کائنات محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظہور ہوا۔

عرب ایک وحشی قوم تھے باہمی جنگ و جدل میں مصروف رہتے، بتوں کی پوجا کرتے، عزیزوں اور رشتہ داروں کے حقوق کی پرواہ نہ کرتے تھے، لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ ایسی قوم کے مجلسی نظام کی درستی کے لیے یقیناً قدرت کی طرف سے ایک رہنما کی ضرورت تھی۔ حضور کی شخصیت اور حق پرستی عربوں کے لیے پیام امید تھی۔ آپ کی مقناطیسی شخصیت نے تھوڑے سے عرصہ میں انہیں اپنی طرف کھینچ لیا، اور بکھرے ہوئے عربوں کی مجلسی اصلاح

فرما کر انہیں ایک منظم اور طاقتور قوم بنا دیا جس کو اپنی ذہنی اور دنیوی فلاح کا قوی ایمان حاصل تھا۔ آپ کے مذہب نے جسے اسلام کے پاکیزہ نام سے موسوم کیا جاتا ہے، عربوں کی ذہنیات کو یکسر بدل دیا وہ روشنیٔ طبع، ذہنی نظافت اور جسدی طاقت سے مالا مال ہو گئے اور وہ قوت منظمہ جو قوم کے استحاد وارتباط کے لیے از بس ضروری ہے، انہیں خود بخود حاصل ہو گئی صحرائی قبائل کو آوارہ گردی میں ایک نئی زندگی حاصل ہوئی جو خواب گراں سے بیدار ہو گئے اور نظام عالم کے معرکۂ حیات میں قوموں سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے مختلف ممالک میں نوید اسلام پہنچائی گئی، اور شاہان وقت کے نام تبلیغی خطوط ارسال کئے گئے، اور تھوڑے سے عرصے میں عرب گرد و نواح کے (ممالک میں پھیل گئے۔ ۶۳۳ء میں عربوں کے فوجی دستے ایران میں داخل ہو گئے۔ چند مقابلوں کے بعد جنگ قادسیہ کی نوبت آئی، جہاں پر سلطنت ساسانیہ کی قسمت کا فیصلہ کر دیا گیا۔ ۶۳۶ء میں فتح یرموک کے بعد شام پر غلبہ حاصل کر لیا گیا، ۶۳۹ء میں عرب مصر میں داخل ہوئے، اور ۶۴۱ء میں جنگ نہاوند نے مسائل سیاسی کو بہت حد تک حل کر دیا ۶۵۱ء میں یزدگرد مارا گیا، اس طرح سلطنت ساسانیہ کا خاتمہ ہوا۔ اب ممالک شرقیہ بلخ اور جیحوں تک عربوں کے قبضہ میں تھے۔)

خلفائے راشدین نے روئے زمین پر پہلی دفعہ صحیح شکل میں ایک جمہوری سلطنت کو قائم کیا۔ مساوات اخوت اور آزادی اس کے ستون تھے۔ اور پہلی دفعہ سیاسی امور میں مشاورت عامہ پر انحصار کیا گیا۔ حاکم وقت

(امیر المؤمنین) سادہ زندگی بسر کرتے، معاملات ملی میں جمہور کے سامنے مسؤل ہوتے اور حق کی حفاظت کے لیے جہاد کو نکلتے۔ دین و دنیا کی جدوجہد کے لیے مسلمانوں کے پاس نورِ ہدایت قرآن تھا جس کی روشنی میں اسلامی قومیں روئے زمین پر پھیل گئیں۔ ابتدائی دور میں بنی اُمیّہ کا دور رہا، جنہوں نے پہلی دفعہ بحیرہ روم کے علاقوں، مثلاً روم و یونان میں جمہوری سلطنت کو روشناس کرایا۔ چنانچہ گرد و نواح کی حکومتوں کے نظام میں اموی طریقہ حکومت کی پیروی کی جانے لگی۔ بنی اُمیّہ کی سلطنت ۷۵۰ء میں ختم ہو گئی۔ خاندان اُمیّہ میں سے امیر عبدالرحمان نے ہسپانیہ میں ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ قرطبہ کو اس اس کا دارالخلافہ بنایا۔ اس کا خاندان ۷۵۵ء سے ۱۰۲۷ء تک ہسپانیہ میں حکومت کرتا رہا، جسے یورپ کی عیسائی طاقتوں نے مغلوب کیا۔ بنی اُمیّہ کے بعد عباسی دور شروع ہوا جس کے مشہور فرمانروا ابوالعباس، ابوجعفر المنصور مہدی، ہادی، ہارون الرشید، المامون، وغیرہ تھے۔ مستعصم اس سلسلہ کی آخری کڑی تھا۔ ایران میں سامانی، دیلمی اور غزنوی حکومتیں قائم ہوئیں۔ مغلوں میں سے مشہور فاتح تیمور اسلام سے مشرف ہوا۔ اس نے اپنے مقبوضات میں ترک و مغل رسم و رواج کے بجائے اسلامی شریعت کا نفاذ کیا۔ ایران میں قرونِ آخری میں صفوی اور قاچاری خاندانوں کی حکومت رہی۔ افغانستان کے ماحول میں غوری اور غزنوی برسرِ اقتدار رہے۔ عثمانی ترکوں نے سلطنت عثمانیہ ترکیہ کی بنیاد ڈالی جس میں یورپ، ایشیا، اور افریقہ کے وسیع علاقے شامل رہے۔ اس کا پہلا فرمانروا عثمان تھا جس کے بعد بیسویں صدی تک

فرمانرواؤں کا ایک طویل سلسلہ قائم رہا۔ آخری دور میں خلافت اُسی خاندان سے متعلق رہی۔

ہندوستان میں ترک، خلجی، تغلق، سید، لودھی خاندان حکومت کرتے رہے، جن کے بعد سلطنت مغلیہ قائم ہوئی جس کے تاجداران شہیر بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہ جہان، اورنگ زیب تھے، جن کی اولاد اٹھارھویں صدی تک حکمران رہی۔

اسلام کی فطری تعلیم نے مسلمانوں کو ایک با اقتدار قوم بنا دیا، جسکی عسکری روح نے مختصر سے عرصے میں گردو نواح کے ممالک کو زیر نگیں کر لیا دنیوی جاہ وحشمت کے ساتھ علوم و فنون کی پرورش کی۔ یورپ میں علوم و فنون کی نشر و اشاعت سے قرون وسطیٰ کی جہالت کو نور سے بدل دیا۔ روم و یونان کو دور جدید سے متعارف کرایا۔ ایران کو مجمیت سے نجات دلائی۔ اصنام ہند کے کانوں تک صدائے توحید پہنچائی، اور اس طرح نظام انسانی کو ایک نئی تشکیل کی طرف حرکت دی ایک ہزار سال تک اسلام ایک ہمہ گیر جاذب و حاکم قوت کی حیثیت سے نظام عالم کو حرکت میں لاتا رہا، لیکن انیسویں صدی کے اوائل میں دنیائے اسلام میں ایسی علامات ظہور پذیر ہونے لگیں، جو اس کے اندرونی نقائص کا پتہ دیتی تھیں، لیکن چونکہ اسباب کو معلوم کرنے کے بعد ان کو دور کرنے کی چنداں کوشش نہ کی گئی، اس لیے حالات نے بحران کی صورت اختیار کر لی، یعنی روح و جسد کی باہمی کشمکش نازک لمحات تک پہنچ گئی۔

ہندوستان میں حضرت عالمگیر علیہ الرحمتہ کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد بہادر شاہ نے پانچ سال حکومت کی۔ اس کے بعد اس کے تین لڑکے یکے بعد دیگرے تخت دہلی پر بیٹھے۔ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ نے محمد شاہ کے زمانے میں ہندوستان پر حملہ کیا۔ اور دہلی کو لوٹا۔ نادر شاہی حملہ کے بعد مغل فرمانروا صحیح معنوں میں سلطنت سے محروم ہو چکے تھے اور سلطنت اور سلطنت مغلیہ شمع سحری کی مانند ۱۸۵۷ء کے انقلاب تک ٹمٹماتی رہی، ایران و افغانستان کے حالات انیسویں صدی کے آغاز سے پیچیدہ ہونے شروع ہوئے، کیونکہ یورپی قومیں مشرق کی خستہ تن قوموں میں سیاسی تغلب کے درپے تھیں۔ ایران اور جنوبی ہند میں نپولین کی ریشہ دوانیاں بذاتِ خود ایک خطرہ تھیں، ہر چند اسے انگریزوں سے دشمنی تھی افغانستان کو بیک وقت روس، ایران اور ہندوستان سے جغرافیائی تعلق تھا، اس لیے روسی اور انگریزی حکومتیں افغانستان کو اپنی سیاسی طلسم کاریوں کی جولانگاہ بنائے ہوئے تھیں، شاہ شجاع اور دوست محمد خان کے زمانے میں صورت حالات بگڑی، پھر خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں۔ اس کے بعد امیر شیر علی، امیر عبدالرحمٰن خان اور امیر حبیب اللہ خان تک امور سیاسی کی سلک جمعیتِ دو زبردست طاقتوں کے درمیان مجبوری اور بے چارگی میں پریشان رہی۔

۱۷۹۶ء میں آغا محمد شاہ خاندان قاجار کا بانی قتل ہوا۔ اسکے بعد فتح علیشاہ قاچار تخت پر متمکن ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں ۱۸۰۰ء میں گرجستان کا علاقہ روس سے ملحق ہو گیا۔ آہستہ آہستہ دوسرے مقامات مثلاً غازان، داغستان اور شروان بھی روسی قبضہ میں چلے گئے۔ ۱۸۱۳ء میں اہل برطانیہ اس کشمکش میں

شریک ہوئے، ۱۸۳۴ء میں فتح علیشاہ نے وفات پائی۔ اُس کے بعد محمد شاہ
تخت پر بیٹھا، اس کی وفات پر ۱۸۴۸ء میں ناصرالدین بادشاہ ہوا ۱۸۹۶ء
ناصرالدین کا بیٹا مظفرالدین تخت نشین ہوا۔ اُسے مجلس شوریٰ قائم کرنے پر
مجبور کیا گیا۔ اس کے بعد احمد علی مرزا اور احمد مرزا یکے بعد دیگرے تخت
پر بیٹھے۔

۲۰ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو ترکی بحری بیڑے نے انگلستان، فرانس اور ایران
کے متحدہ بحری بیڑے کے ہاتھوں زبردست شکست کھائی۔ دوسرے سال
روس نے ترکی پر حملہ کیا، یہ کشمکش ۱۸۸۳ء تک جاری رہی ۱۸۹۷ء میں یونان
اور ترکی کے درمیان جنگ ہوئی۔ روس، یونان اور انگلستان کی مصلحتیں
ترکوں کی الجھنوں میں اضافہ کر رہی تھیں۔ ترکی کو یورپ کا مرد بیمار، کہا
جاتا تھا۔ سلطنت ترکیہ کی پریشانی روز افزوں تھی۔ سلطنت کا شیرازہ بکھرتا
دیکھ کر عیسائی قوموں نے مختلف علاقوں پر قبضہ کرنے کی ٹھانی۔ روس نے کریمیا
اور کاکیشیا پر قبضہ کر لیا۔ استانبول اور درہ دانیال کی شاہراہ پر حق ظاہر کیا
فرانس نے شام اور ٹیونس پر دست درازی کی انگلستان نے مصر اور سائپرس
پر قبضہ کر لیا۔ شاہ جرمنی نے سلطان عبدالحمید کی یورپ کے مقابلے میں اس
لیے طرفداری کی کہ دوسرے امیدواروں کو شکست دے کر خود اس پر قابض
ہو جائے۔ اس طرح بیسویں صدی میں یورپ کی عیسائی طاقتیں سلطنت
ترکیہ کے لاشے کے گرد گدھوں کی طرح منڈلا رہی تھیں۔

الغرض دو صدی کے اندر اندر دنیائے اسلام زیر و زبر ہو گئی۔

اور وہ حکمران قوت جو مشرق و مغرب کے درمیان کئی ایک عظیم الشان سلطنتوں اور لاتعداد قوموں کو ہانکتی تھی، ان قوموں کا ساتھ چھوڑ بیٹھی، اور سلطنتوں کے عظیم و رفیع محلات میں شکست و ریخت نمودار ہونے لگی۔ مسلمان قومیں دیوار کہنہ کی طرح گرنے لگیں۔ ایسے ہمہ گیر تخریبی عمل کے نتائج فرعی حیثیت سے دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں ظاہر ہوئے۔ جابجا مجلسی امراض پیدا ہو گئے جس کا نتیجہ ذہنی اور جسمانی تسفل ہوا نکبت و ذلت میں گرفتار ہو گئے، اور اتفاق و اتحاد کی قوت سلب ہو گئی، روائتی شان و شکوہ سے محروم ہو گئے۔

اتنے بڑے عظیم الشان نظام میں خرابی آنے پر یقیناً سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کونسے وجوہ تھے جن کے پیش نظر مسلمان موجودہ زوال تک پہنچے۔ اس اہم سوال کے جواب میں مختلف حلقوں میں مختلف جواب دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسلام کی حقیقت سے ناآشنا مغربی لوگ اس زوال کے اسباب شریعت پیغمبر میں دیکھتے ہیں جو کہ بقول سعید حلیم پاشا وزیراعظم ترکی، منطقی اور تاریخی حقیقت کے خلاف ہے، کیونکہ اگر ایسے نقائص شریعت پیغمبر میں ہوتے تو مسلمان قطعاً ترقی نہ کر سکتے۔ مرحوم کے نزدیک مسلمانوں کے زوال کی وجہ اسلامی فرائض سے تغافل ہے اور مسلمانوں کا سیاسی زوال مذہبی انحطاط کی وجہ سے رونما ہوا۔

زوال اسلام کے کئی ایک وجوہ ہیں۔ زمانے میں نظام انسانی ایک نہج حیات عالم ہے۔ اس کے مختلف طبقات کے عروج و زوال زندگی کے نشیب و فراز کی مانند ہیں، جن کا مطالعہ ماحول اور ذی حیات جسم کے باہمی تاثرات کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے۔ طبقات انسانی میں درختوں کی طرح نشو و نما کا عمل ہے

مناسب فضا خوراک اور زمین میں پرورش پاتے ہیں، اور بعض اوقات مختلف قسم کی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں جن سے بچنے کیلئے فطری مدافعت کی ضرورت ہے جس طرح فرد انسان کیلئے بعض اوقات جسمانی بیماریاں اپنی ذات اور ماحول سے پیدا ہو جاتی ہیں اور بعض اوقات ذہنی علالتیں جسمانی بیماریوں کی وجہ بن کر جسم کو گھن کے گھاٹ اتار دیتی ہیں نیز ایک بیماری سے فنا طاری ہو سکتی ہے یا ایک بیماری سے کئی دوسری علالتیں پیدا ہو سکتی

بعینہٖ انسان کے مجلسی نظام کو درہم برہم کرنے کے لیے کئی قسم کے مجلسی امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی مرض سے فنا طاری ہو جائے، یا اس مرض سے کئی دوسرے امراض پیدا ہو جائیں، اور قوم نیست و نابود ہو جائے، یا کچھ عرصہ کیلئے مریض رہ کر صحت یاب ہو سکے۔ مجلسی نظام کے لیے فرد واحد کے جسم کی طرح حفاظت کی ضرورت ہے۔ ماحول کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ تحفظِ ذات کا مسئلہ واضح طور پر پیش نظر رہے۔ ذہن انسانی کی حفاظت زیادہ ضروری ہے، کیونکہ ذہن انسانی مجلسی نظام کا رہنما ہے اور ذہنی امراض سے دیگر امراض پیدا ہوتے ہیں، جن سے جماعتی روح زوال پذیر ہو جاتی ہے، ذہن یا جسم میں ایک یا دوسری قسم کے نقائص پیدا ہونے سے روح تغلب کا افنا لازم آتا ہے، جس کے سہارے قومیں زمانے کی قوتوں پر غلبہ پاتی ہیں۔ افراد کی کیفیت سے مجلسی نظام پر اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ افراد کی کمزوری سے روح تغلب قوموں سے غائب ہو جاتی ہے، اور قومیں شاہراہ زندگی پر ایک تھکے ماندے مسافر کی طرح بیچارگی سے سفر کرتی ہیں۔ اس حالت کو عرف عام میں زوال کہا جاتا ہے۔

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ
بِهِمَا كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهٖ

(میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم اُن کو مضبوط پکڑے رہو گے کبھی نہیں بہکو گے۔ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سُنت ہے)

فَمَنِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا

(جس نے اللہ کے مضبوط حلقے کو پکڑ لیا پھر اُسے کوئی علیحدہ نہیں کر سکتا)

درختوں کے برعکس طبقات انسانی محرکات ذہنی یا خصائص نفسانی کے ماتحت حرکت کرتے ہیں، اور انہی سے انسان تکمیل حیات کو پہنچتا ہے۔ محرکات خصائص نفسانی کے آئینہ دار ہیں، اور تہذیب انسانی کے لیے مرکز کا حکم رکھتے ہیں۔ قوموں کے معتقدات اساسی کی بنیاد خصائص نفسانی پر ہے۔ انسان کے نظام حکومت اور تمدن و معاشرت کی بنیاد انہی خصائص پر ہے۔ معتقدات اساسی کے تغیر سے ان میں فرق آتا رہتا ہے۔ تہذیب و تمدن کے تحفظ کے لیے ان معتقدات کو بیرونی اثرات سے محفوظ رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اُنکے فنا ہونے سے نظام حکومت اور تمدن و معاشرت بھی فنا ہو جاتے ہیں۔

قوموں کو اصولی افکار وراثت میں ملتے ہیں۔ ان اصولی افکار سے فرعی افکار پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو اوقات گزرنے پر بدلتے رہتے ہیں۔ طول زمان سے حقائق محض نہیں بدلتے۔ چنانچہ قوموں کی عقل و دانش میں کم فرق آتا ہے البتہ معتقدات تغیر پذیر ہوتے ہیں جن سے تہذیب و تمدن میں عروج و زوال کے انقلاب رونما ہوتے ہیں۔ کیا مسلمانان عالم محرکات ذہنی کا تحفظ کر سکے ہیں؟ کیا اُن کے افکار و معتقدات تغیر پذیر تو نہیں ہو چکے؟

طبقات انسانی تنازع للبقا کے اصول کے ماتحت ایک دوسرے

سے بقائے ذات کے لئے تغلب چاہتے ہیں چونکہ تغلب کے لیے مادی وسائل کی ضرورت ہے۔ اس لیے قوموں کے عروج و زوال میں ذہنی تغیر کے بعد مادی قوت کارفرما رہتی ہے۔ تہذیب و تمدن اور سیاسی تغلب کے لیے مادی انحطاط پیغام اجل ہے۔ غریب قومیں کوئی تہذیب و تمدن نہیں رکھتیں غربت اور امراض انہیں گھیرے رکھتے ہیں۔ حوصلے پست رہتے ہیں، اور زندگی کی مبارزت طلب دلہن کی تاب نہ لاکر محض اوقات بسری کے لیے عالم میں گوشۂ عافیت ڈھونڈنے کے لیے مصروف رہتے ہیں۔

دیگر وجوہات زوال کے لئے اسلامی تاریخ پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ اوائل اسلام میں جس نظام جمہوری کی بنیاد "وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ" پر تھی، اُس نے کچھ وقت کے بعد شخصی حکومت کی صورت اختیار کر لی۔ ایرانی، تورانی، ہندی، مصری حکومتیں جغرافیائی حالات کے ماتحت قرآنی نظریہ حکومت سے دُور جا پڑیں۔ چنانچہ عباسی، سلجوقی، خلجی اور مغل فطری جذبۂ تغلب کے مظاہرہ میں مصروف رہے اور قرآنی احکام کی روشنی میں اپنا چہرہ نہ دیکھ سکے۔ اسلام میں حکومت کی بنیاد خاص قسم کی جمہوریت پر ہے۔ مگر شخصیت کے دلدادہ حکام نے رائے عامہ کی کچھ پرواہ نہ کی۔ جاہ پرست اُمرا کی خود پرستی نے مختلف سلطنتوں کے نظام بگاڑ دیے۔ اور اس کا نتیجہ دنیائے اسلام کو سیاسی بیماری اور مادی کمزوری کی شکل میں دیکھنا پڑا۔

جغرافیائی حالات کے ماتحت مسلمان مختلف ممالک میں اجنبی اثرات کو قبول کرتے رہے۔ ذہنی افکار و معتقدات میں فرق آیا۔ اگرچہ علماء نے مذہبی

تحفظ کے لیے پابندی ظاہر کی تاکید کی، اور اس طرح مسلمان ایک ظاہری جماعت کی حیثیت سے قائم رہے، مگر ضرورت تھی کہ اصول اسلامی کو ایک زندہ جسم کی حالت میں قائم رکھا جاتا۔ روح اسلام کی پرورش کو نظرانداز کر دیا گیا۔ اور جسد اسلام کی حفاظت کو مقدم سمجھا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دل و دماغ بوسیدہ ہو گئے اور اصول اسلامی کی نشو و نما رک گئی۔ عجمی تصوف نے آریائی ترک دنیا کی تعلیم کو عام کر دیا، اور اسلامی ذوق عمل کو تخیل سے بدل دیا۔ ہندو ایران و ترکی میں لاتعداد خانقاہیں قائم ہوئیں جن میں صوفیا و فقرا دنیا سے منہ موڑ کر عاقبت سے رشتہ جوڑنے کے لیے پناہ گزین ہوئے۔ تصوف نے شعر و شاعری پر بے پناہ اثر ڈالا اشعار کے ذریعہ سے یہ زہر غیر محسوس طور پر اسلامی قوموں کی رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ چونکہ شعر کو دل سے ایک فطری مناسبت ہے۔ اس کے اثر سے ہر کس و ناکس متاثر ہوتا ہے۔ چنانچہ اسلامی افکار و معتقدات اس کی زد سے نہ بچ سکے اور تخیل کا ارتقا رک گیا۔ تیرھویں صدی میں تاتاریوں نے بغداد پر حملہ کیا جس سے اسلام کے مذہبی اور مجلسی قصر کو سخت صدمہ پہنچا۔ علما نے مذہبی حیثیت کو قائم رکھنے کے لیے مجلسی زندگی میں دستور اسلامی کے قیام کی تاکید کی، اور قوانین شریعت میں جیسا کہ ائمہ سابقہ نے توضیح کی تھی، مداخلت قطعاً گوارا نہ کی (جاحظ اور نظام کی تحریکات اسی دور کی یادگار ہیں) انہیں مجلسی نظام کا تحفظ مقصود تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں وہ جزوی طور پر ٹھیک تھے، کیونکہ تنظیم ایک حد تک تخریبی قوا کا مقابلہ کرتی ہے، مگر وہ لوگ نہ دیکھ سکے، اور علمائے جدید نہیں دیکھتے کہ انجام کار لوگوں کی

قسمت کا انحصار اس قدر تنظیم پر نہیں، جتنا کہ افراد کی قابلیت اور طاقت پر ہے۔ ضرورت سے زیادہ منظم مجلس میں فرد پس کر رہ جاتا ہے وہ گرد و نواح سے فکر مجلسی کا سرمایہ حاصل کرتا ہے، اور اپنی روح کو ضائع کر بیٹھتا ہے، اس طرح تاریخ قدیم کی غلط پرستش اور اس کا مصنوعی احیا کسی قوم کے زوال کے لیے کسی دوا کا کام نہیں دیتا۔ تنہا مؤثر قوت جو کسی قوم کے تخریبی قوا کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ وہ اپنی ذات پر سرگرمیوں کو مرکوز رکھنے والے افراد کی پرورش ہے۔" (اقبال)

" میرے نزدیک مسلمانوں کی مذکورہ بالا ذہنیت کا مسخ ہونا جو کہ مغربی مجلس کے اثرات کی قبولیت پر اسلامی مجلس کے دوبارہ احیا کو ڈھونڈھتی ہے مغربی تغلب کے منحوس اثر کی وجہ سے ہے جسے شریعت پیغمبر کو تسلیم کرنے والی قوموں نے برداشت کیا ——— وہ تغلب جس نے اُن کے ذہن کو مفلوج کر دیا ہے میں اُن کی اِن غلطیوں کو رفع کرنا چاہتا ہوں کہ اخلاقی اور مجلسی نقطہ نگاہ سے دنیائے اسلام کو مغرب پر رشک کرنے کی ضرورت نہیں اس کے خلاف ان امور میں عیسائی ممالک کو اسلام سے سبق لینا چاہیے۔ اس اہم سوال کی تشریح کے لیئے بہتر ہوگا کہ اسلام کے مجلسی کارناموں کو واضح طور پر بیان کیا جائے۔ اس یاد دہانی سے میرے ہموطنوں اور ہم کیشوں کو یقین ہو جائے گا کہ اصلاح اسلام سے مراد صرف اس عظیم الشان مذہب کی تعلیمات کو بہتر طور پر سمجھنا اور انہیں بہتر طور پر عمل میں لانا ہے۔

" دنیائے اسلام کے مادی انحطاط کا نتیجہ سیاسی زوال پر منتج ہوا

اسباب کی کمی اور مادی کمزوری کی وجہ سے یہ مغرب کے حریفانہ عزائم کے مقابلہ میں اپنے تحفظ میں قاصر رہی۔" (حلیم پاشا)

"اہل اسلام کے انحطاط و تنزل کا سبب اُن کے اعمال میں کمی اور کوتاہی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی کتاب کی تعلیمات کی بجاآوری میں فتور کی وجہ سے ہے کیونکہ اللہ کی کتاب ہی کی تعلیم وہ چیز ہے، جو ہمیں حقیقی ترقی اور تعالیٰ اور بلندیوں کی چوٹی کی طرف راہنمائی کر سکتی ہے۔ میں نے یورپ کی سیاحت کے اثنا میں دیکھا ہے کہ اورپائیوں نے واقعی قرآن مجید سے استفادہ کیا ہے اور اسی پر وہ اپنے امور سیاسیہ وغیرہ کے قوانین مبنی قرار دیتے ہیں، اور ہم اس سے غافل ہوتے چلے جاتے ہیں، باوجود اس کے ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید ہماری مقدس کتاب ہے، اور ہم اس پر ایمان لائے ہیں لیکن ایمان مکمل نہیں ہوتا جب تک عمل نہ ہو میں نے عزم کر لیا کہ جب تک سریر سلطنت پر متمکن رہوں گا، اجرائے امور اور احکام سیاست کو قرآن مجید ہی کی تعلیم پر مبنی قرار دوں گا، اور اپنی رعیت میں اس کے نشر کی کما حقہٗ کوشش کروں گا۔ (محمد نادر شاہ)

"کسی قوم کا ترقی کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہونا یا علوم و فنون کے مختلف شعبوں میں کمال حاصل کرنا یا علوم حقہ کے نکات سے کما حقہٗ آگاہ ہونا یا ایسے علوم کی تحصیل کرنا جو اُن کے مادی یا معنوی ارتقا کا موجب ہوں ان چند اصولوں سے وابستہ ہے۔

(۱) اول یہ کہ ہر ترقی خواہ قوم کی عقل توہمات باطلہ کے زنگ سے

صاف اور واہیات وخرافات عقائد کی کدورات سے پاک ہو۔ کیونکہ خرافات عقائد انکشاف حقیقت میں حائل ہو جاتے ہیں۔ توہمات کا معتقد کبھی واقعات حقہ کی جستجو نہیں کرتا، بلکہ جب کوئی لایعنی عقیدہ قائم ہو جاتا ہے، تو عقل معطل ہو کر غور و فکر سے انکار کر دیتی ہے ایسا شخص ہمیشہ حقیقت نفس الامری سے دُور اور وحشت و دہشت اور خوف میں گرفتار رہتا ہے۔ حیوانات کی حرکات اور پرندوں کی آواز سے گھبراتا ہے۔ بادل کی کڑک اور بجلی کی چمک سے کانپتا ہے۔ فال بینی اور شگون کے اوہام میں پھنس کر سعادت سے محروم ہو جاتا ہے، اور ہر دجال اور فریب کار سے مرعوب ہو کر گردن جھکا دیتا ہے۔ ایسی تاریک زندگی سے بڑھ کر اور کیا شقاوت اور سیاہ بختی ہوگی۔

"اسلام کا سب سے پہلا رکن توحید ہے جو کل توہمات سے عقل کو جلا دیتی ہے۔ توحید کی اولیں تعلیم یہ ہے کہ انسان کسی انسان یا درخت یا پتھر یا اجرام سماوی و ارضی میں سے کسی کو خالق رازق یا متصرف نہ سمجھے بغیر صانع حقیقی کے کسی کو عزت و ذلت دینے والا موت و حیات بخشنے والا، مانع و معطی نہ جانے۔ یہ خیال بھی نہ کرے کہ خداوند تعالیٰ انسانی جامہ میں ظہور فرما کر اصلاح عالم کا بندوبست کرتا ہے، یا کسی مصلحت کے لیے لباس بشری میں نمودار ہوا، اور کئی طرح کے مصائب برداشت کیے یا اس قسم کے کئی اور لایعنی عقائد جو عقل کو اندھا اور معطل کرنے کے واسطے کافی ہیں۔ اسلام کے سوا موجودہ تمام مذاہب میں ایسے ہی خرافات تسلیم شدہ عقائد ہیں۔

(۲) ”قوم کے ہر فرد میں یہ جذبہ موجود ہو کہ نبوت کے علاوہ جو محض وہبی امر ہے اور کسب و تحصیل یا سعی و کوشش سے میسر نہیں ہو سکتی۔ دوسرے ہر قسم کے کمالات و فضائل کا مستحق اپنے آپ کو سمجھے۔ ناممکن و مشکل اور حوصلہ شکن خیالات اس کے دماغ میں جاگزین نہ ہوں جب انسان میں یہ ہمت ہو گی تو میدان مسابقت میں تگ و دو کر کے اعلیٰ درجات پر فائز ہو گا۔ ایسا شخص مادی اور روحانی عزت و آبرو کے حصول میں کبھی کبھی کوتاہی نہیں کرے گا۔ برخلاف اس کے اگر کسی قوم کا یہ اعتقاد ہو کہ یہ نسلی اور پیدائشی طور پر دوسروں سے شرف میں کہتر ہے، تو یقیناً ایسی قوم پست ہمت ہو گی۔ اس کی جدوجہد میں قصور اور عقل و فہم میں فتور ہو گا۔ ایسی قوم کبھی درجۂ بلند تک نہیں پہنچ سکتی اس کی ہمت کا دائرہ بہت تنگ ہو گا۔

مذہب اسلام نے شرافت اور فضیلت کے دروازے کل انسانوں کے واسطے کھول دئیے ہیں۔ علم و فضل کسی کا جدی ورثہ نہیں قرار دیا گیا بلکہ ہر شخص کو اس کا حق دار ٹھہرایا ہے۔ انسان کی شرافت علم و فضل سے وابستہ ہے۔ دوسرے ادیان میں یہ بات کم پائی جاتی ہے۔ ....

(۳) وہ قوم ترقی کر سکتی ہے، جو اپنے معتقدات کی بنا پر مضبوط اور یقینی دلائل پر رکھے اور وہمیات اور ظنیات کو عقیدے میں دخل نہ ہو یا محض آبائی تقلید پر قانع نہ ہو کیونکہ جو شخص کسی بات کو بلا دلیل و بلا حجت مان لے یا طرف آبائی تقلید پر اکتفا کرے تو اس کی عقل کند ہو کر غور و فکر سے معطل ہو جاتی ہے۔ ایسا شخص نیک و بد کی تمیز سے عاری ہو کر آفات میں مبتلا ہو جاتا ہے چنانچہ مشہور فرانسیسی وزیر اپنی مشہور کتاب ”مدنیت اقوام فرنگ“ میں لکھتا

ہے کہ یورپ کی تہذیب اس وقت شروع ہوئی جب یہاں ایک ایسا گروہ پیدا ہوا جس نے یہ کہنا شروع کیا کہ اگرچہ ہم عیسوی مذہب کے پابند ہیں لیکن ہم کو یہ حق حاصل ہونا چاہیئے کہ اپنے عقائد پر دلائل اور براہین طلب کر سکیں، پادری لوگ ان کو اجازت نہ دیتے اور کہتے تھے کہ مذہب کی بنیاد تقلید پر ہے آخر اس جماعت کے لوگوں نے زور پکڑا اور تقلید کے جال سے نکل کر میدان غور و فکر میں جولانیاں دکھائیں اور ترقی کے اسباب میں مساعی ہوئے،

"مذہب اسلام وہ بے نظیر مذہب ہے کہ بلا دلیل عقائد اور اتباع ظنیات کی مذمت کرتا ہے۔ آباؤ اجداد کی کورانہ تقلید پر اسلام نے سخت سرزنش کی ہے اور ہر امر پر عقل سے اپیل اور دلیل طلب کی ہے۔ سعادتمندی کو عقل کا نتیجہ اور شقاوت کو بے عقلی سے منسوب کیا ہے۔ اسلام نے اصول عقائد پر ایسے دلائل پیش کئے جو عوام کیلئے مفید ہوں بلکہ اکثر احکام کے ساتھ ساتھ اس کی حکمت بھی ذکر کر دی (ملاحظہ ہو قرآن مجید) کسی دوسرے مذہب میں یہ خوبی نہیں۔ اسلام کی یہ وہ خوبی ہے جس کا اعتراف غیر مسلم بھی کرتے ہیں۔

(۴) قوم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو ہمیشہ تعلیم و تعلم میں مشغول رہ کر قوم کے "ذہنی ارتقا" اسباب معشیت اور وسائل عزت کو ترقی دیتا رہے دوسرا گروہ ایسا ہو کہ قوم کی اخلاقی اور روحانی تربیت کرتا رہے۔ اخلاق حمیدہ کے فوائد اور اخلاق رذیلہ کے مضرات کو واضح کرے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے کسی وقت غافل نہ ہو کیونکہ انسان کے تمام معلومات اکتسابی

ہوتے ہیں۔ اگر مربی و معلم نہ ہو تو صرف عقل سے انسان بہرہ یاب نہیں ہو سکتا، چونکہ انسان کی خواہشات بے پایاں ہوتی ہیں۔ اگر ان کو اعتدال پر رکھنے والا نہ ہو تو ظلم و تعدی کا مرتکب ہو کر امن عامہ میں خلل انداز ہو گا، بلکہ خود بھی نفسانی جذبات کی آگ میں جل کر ہلاک تر ہو گا اور حیوانیت کی زندگی بسر کر کے آخر واصل جہنم ہو گا۔

پس امر بالمعروف و نہی عن المنکر دونوں ضروری امر ہیں یہ دونوں باتیں اسلام کے فرائض و واجبات میں داخل ہیں (ملاحظہ ہو قرآن مجید) دوسرے مذاہب میں ان کی اس درجہ اہمیت نہیں۔ اسلام کے ارکان بہت ہیں ان میں سے ہر ایک تمدن و معاشرت کے واسطے نہایت مفید بلکہ ضروری ہے ...... اگر یہ کہا جائے کہ جب اسلام کے ایسے اصول ہیں تو مسلمان کیوں ایسی زبوں حالی میں گرفتار ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب مسلمان ان اصولوں کے پابند تھے تو وہ تھے، جن کی زمانہ شہادت دے رہا ہے لیکن اب؟ پس اس کا جواب میں صرف قرآن شریف کی ایک آیت سے دیتا ہوں

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ۔ سید جمال الدین افغانی ✓

جیسا کہ ہم اوپر ذکر کرتے آئے ہیں نظام عالم کی صحت اور خاتمہ مدار تغیر پر ہے۔ اور تغیر سے اشیا ارتقا کی طرف مائل رہتی ہیں اس زریں اصول کے ماتحت یہ حقیقت آشکار ہو سکتی ہے کہ ذہن انسانی ایک زندہ جسم کی طرح ارتقا چاہتا ہے۔ ایک ہی قسم کے افکار و معتقدات نوعی حیثیت سے ایک وقت خصائص نفسانی کے پیش نظر بے ہنگام ہو جاتے ہیں معتقدات اساسی کے زندہ رکھنے کیلئے انسانی دل و دماغ کی پرورش کی ضرورت ہے، ماحول

کے تغیر اور دل و دماغ کے ارتقا کے باوجود مسلسل ایک ہی قسم کے افکار و معتقدات کے معنی
دل و دماغ کی نشو و نما کو روکنا ہے جس سے یقیناً ذہنی موت واقع ہونے کا اندیشہ ہے
قومیں مختلف حیثیتوں سے اپنے لیے زوال کے اسباب پیدا کر لیتی ہیں اور ان میں سب سے
اہم سبب ذہنی نشو و نما کو روکنا ہے جس سے معتقدات اساسی کی پرورش رک
جاتی ہے۔ ذہن کے اس فطری تقاضا کو پورا کر سکنے کے لئے اسلامیات میں مسئلہ اجتہاد خاص
اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ اس کی مدد سے ذہن اسلامی کو ایک صحیح جسم کی طرح قائم رکھا جا
سکتا ہے اور افکار اسلامیہ ہر زمانے میں تازہ رہ سکتے ہیں قرآن میں بار بار افلا تتدبرون
افلا تشعرون، افلا تعقلون کے الفاظ میں شدت سے خطاب کیا گیا ہے۔
بزرگان دین نے اپنے اپنے فہم کے مطابق قرآن پاک سے اسلام کو انفرادی نقطہ
نگاہ سے سمجھنے کی کوشش کی اور یقیناً ہم انتہائی معنوں میں ان کے نظریات کے پابند
نہیں ہمیں قرآن میں آزادانہ فکر کا حق حاصل ہے۔ اگر ائمہ بزرگ امام اعظم، مالک، حنبل
اور شافعی کو اپنے زمانے کے مسائل کو قرآن کی روشنی میں حل کرنے کا حق حاصل تھا
ہم کیوں اپنے حق کو کھو بیٹھیں۔ ھم رجال و نحن رجال۔
دور جدید میں جب کہ مشرق و مغرب کے باہمی تقارب سے نئے نئے مسائل
پیدا ہو رہے ہیں، اور تشرادِ توافق ذہنی کا وسیع ترنا مئہ چاہتی ہے۔ ضرورت ہے کہ قرآن
کے ہمہ گیر اور ابدی حقائق کو علوم حاضرہ کی مدد سے منصۂ شہود پہ لایا جائے بمدوح
اسلام کی تحقیق کے مسئلہ میں ہم دل و دماغ سے کام لینے میں آزاد ہیں۔ اجتہاد
کے معنی ذہنی شبستان میں شمع اسلام کو زندہ رکھنا ہے۔

جنگِ عظیم کے بعد

بیسویں صدی کے اوائل میں یورپ روز بروز مادی ترقی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ قومیں قومی تغلب کے نشہ میں چور چور ہو رہی تھیں، اور دنیا کے مختلف خطوں میں اپنے اپنے وقار کے لئے دوڑ دھوپ کر رہی تھیں جس کی وجہ یورپ کے فکری ارتقا میں مادیت کو دخل تھا، کیونکہ انیسویں صدی کے نصف ثانی میں کئی ایک فلسفی وحشیانہ قوت کے علمبردار تھے اور زمانے میں حکومت کو اس کا مرہونِ منت جانتے تھے۔

سنہ ۱۹۱۴ء میں یورپ کی حالت یک بیک دگر ہو گئی، چونکہ جرمنی، بلجیم کے غیر جانبدار علاقے سے گزر کر پیرس تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اس لیے برطانیہ نے جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا اور بعد ازاں آسٹریا اور اٹلی نے بھی ان کا ساتھ دیا یہ لوگ اتحادی کہلاتے۔ ترکی نے اسی سال مرکزی طاقتوں سے شرکت کی۔ بلغاریہ نے دوسرے سال ان کا ساتھ دیا۔ رومانیہ اور پرتگال اتحادیوں سے مل گئے۔ اس طرح یورپ کے تمام ممالک جنگ میں شریک ہوئے۔ تھوڑے سے عرصے میں امن و آرام کے بجائے

چاروں طرف جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ کوہ یورال سے لے کر بحر ظلمات تک اور بحر شمالی سے لے کر بحیرہ روم تک لاکھوں آدمیوں نے اپنے آپ کو ایک بے پناہ ہنگامے میں گرفتار پایا جس میں انسانی جان و مال کا نقصان قیاس سے باہر ہے۔

ترکی کا مرکزی طاقتوں کا ساتھ دینا ایک اہم واقعہ تھا اگرچہ بلقانی جنگوں میں ترکی کا یورپی حصہ چھن چکا تھا تاہم سلطنت عثمانیہ کافی وسیع تھی جس میں ایشیائے کوچک، آرمینیا، عراق، سیریا، فلسطین اور عربستان شامل تھے اور اس کا تمام علاقہ سلطنت جرمنی سے تین گنا تھا۔ اس سلطنت کا دارالخلافہ قسطنطنیہ ایشیا اور یورپ کے مقام اتصال پر واقع ہے اور بحیرہ اسود میں آمد و رفت کی حفاظت کرتا ہے۔ یہاں کی حکومت جرمنی کی جانبدار تھی، انور پاشا وزیر جنگ تھا۔ برلن کے عسکری حلقہ میں اس کے دوستانہ تعلقات تھے شہنشاہ جرمنی نے ترکی میں جرمن اثر کے قیام کی بے حد کوشش کی تھی، چنانچہ ۱۹۱۴ء میں ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا ترکی فوج کے افسر جرمن تھے۔ دو جرمن جنگی جہازوں نے باسفورس سے بحیرہ اسود میں داخل ہو کر روسی بندرگاہوں پر بمباری کی۔ نتیجہ کے طور پر روس نے ترکی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ ترکی کے جنگ میں داخل ہونے سے بلقانی ریاستوں اور انگریزوں کو ہندوستان اور مصر کے متعلق خطرہ لاحق ہو گیا۔ افریقہ اور ایشیا بالخصوص عراق، سیریا، فلسطین اور مصر جنگ میں مبتلا ہو گئے۔ جس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ خدیو مصر عباس ثانی کو جو کہ سلطان سے مل کر انگریزوں کو نکالنے کی کوشش کر رہا تھا، تخت

سے علیحدہ کر دیا گیا۔ برطانوی سلطنت مصر کی سرپرست قرار دی گئی اور معزول خدیو کی جگہ اس کے چچا کو سلطان کے لقب سے تخت نشین کر دیا گیا۔ ترکوں نے انگلستان اور ہندوستان کے راستہ کو کاٹنے کے لیے مصر پر حملہ کر کے نہر سویز پر قبضہ حاصل کرنے کی کوشش کی، لیکن یہ کوششیں فروری ۱۹۱۵ء میں ناکام رہیں۔

جرمن حکومت، برلن اور بغداد کو متصل کرنے کی خواہشمند تھی تاکہ وسطی یورپ، ترکی اور وادی فرات و دجلہ میں حلقۂ اثر قائم کیا جائے۔ اس قسم کے اقدام سے مصر اور ہندوستان کو براہ راست خطرہ تھا اس لئے انگلستان اور جرمنی کے درمیان مشرق قریب میں ہنگامہ خیز مقابلہ ہوا جس کا اثر تمام ممالک اسلامیہ پر پڑا۔ مسلمانان ہند ترکوں سے ہمدردی رکھتے تھے اس ہمدردی نے بعد میں مسئلہ خلافت کی صورت اختیار کر لی۔ پہلے انگریزوں کو خوفناک شکست ہوئی، لیکن بعد میں حالات بدل گئے۔ ۱۹۱۷ء میں انگریز بغداد میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ اس سال کے اختتام پر برطانیہ نے فلسطین میں ترکوں پر فتح پائی۔ جنگ کے ابتدائی سالوں میں ترک نہر سویز اور مصر کے برطانی قبضہ کے لیے اہم خطرہ تھے۔ انگریزوں نے اس خطرے کو فلسطین میں فوج بھیج کر یکسر مٹانا چاہا۔ اس فوج نے شمال کیطرف یروشلم کی بندرگاہ یافہ پر نومبر میں قبضہ کر لیا اور یروشلم میں ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کو فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے سات صدیوں کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں سے بیت المقدس کے عیسائی قبضہ میں جانے پر عیسائی ممالک

میں خوشیاں منائی گئیں۔ اس کے بعد کئی ایک شہر حاصل کر لیے گئے عراق سیریا، فلسطین اور عرب کا فیصلہ کر دیا گیا۔ وہ ممالک جو صدیوں سے ترکی کے زیر اثر تھے اب اغیار کے محکوم ہو گئے۔ سلطنت ترکیہ ان ملکوں میں عہد ماضی کا افسانہ ہو گئی۔ اور جرمنی کا خواب جس کی رو سے برلن اور بغداد کے درمیان شاہراہ قائم ہونے کو تھی، شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ ترکی اور آسٹریا اب جنگ سے علیحدہ ہونے کے لیے آمادہ تھے۔ دونوں نے صلح کی خواہش کی۔ ۳۱ اکتوبر کو اتحادی طاقتوں نے ترکی سے غیر مشروط پیشکش پر صلح منظور کر لی۔ درہ دانیال اور باسفورس کو آزادانہ طور پر اتحادیوں کے لیے مفتوح کرا لیا بحیرہ اسود تک رسائی کی ضمانت دی گئی۔ ترکی فوج کو منتشر کر دیا گیا۔ مناسب مقامات پر قبضہ کرنے کا حق اتحادیوں کو حاصل ہوا جون ۱۹۱۶ء کی صلح ورسیلز کی رو سے فلسطین اور عراق پر انتدابی اقتدار حاصل ہوا دوران جنگ میں انگریز سلطنت مصر کے سرپرست تھے، لیکن بعد ازاں چند شرائط کے ماتحت خود مختار سلطنت قرار دے دی گئی۔

فاتح اتحادیوں نے سلطنت ترکیہ کو یکسر ختم کرنا چاہا۔ چنانچہ انہوں نے اس پر ایک علیحدہ صلح کا بار ڈالا جو کہ صلح سیورسے کے نام سے مشہور ہے جس کی رو سے ترکی نہ صرف اپنی سلطنت کا بیشتر حصہ کھو بیٹھا، بلکہ خود مختاری بھی چھن گئی لیکن جوان ترکوں نے اس ذلت آمیز فیصلے کو سر پائے استحقار سے ٹھکرا دیا، اور مصطفےٰ کمال کی قیادت میں حکومت ملیہ کا سنگ بنیاد انگورہ میں قائم کیا گیا۔ مزید چار سال کے لیے یورپ کا مقابلہ کرتے رہے

انہوں نے یونانیوں کو سمرنا سے نکال دیا جو کہ صلح سیورے کی رو سے انہیں
ملا تھا۔ انہوں نے مشرقی تھریس پر قبضہ کر لیا اور اتحادیوں کے قبضے قسطنطنیہ
میں مخدوش حالت پیدا کر دی آخر اتحادی سیاست دان سوئٹزرلینڈ میں
لوزان کے مقام پر ترکوں سے نئی شرائط پر صلح کرنے کے لئے مجبور ہوئے
اس صلح کی رو سے مارچ ۱۹۲۳ء میں مشرقی تھریس اور ایڈریانوپل واپس لے
لیا، اور سلطان سلیمان کی طرف سے فرنگی لوگوں کو عطا کردہ حقوق کو منسوخ
کرایا۔ جنگ عظیم تاریخ عالم میں ایک غیر معمولی واقعہ ہے، جس میں دنیا کی تمام قوموں
نے حصہ لیا۔ مشرق و مغرب کے لوگ ایک دوسرے کے سامنے آنتشاری کے
لئے نکلے۔ ہوائی جہاز، مشین گن، آبدوز اور زہریلی گیس کا استعمال بے تحاشا
عمل میں لایا گیا۔ بحری بری جنگیں ہوئیں، لاکھوں لوگ میدان جنگ میں کام آئے
سلطنتیں زیر و زبر ہو گئیں، ملکوں کا نقشہ بدل گیا بعد کی نسلوں کے لیے
ان خونیں واقعات میں ایک بڑی بھاری عبرت تھی۔ مادی قوتوں کے
تصادم سے دنیا کی تہذیب خطرے میں پڑ چکی تھی جنگ عظیم کے بعد سیاسی
و مجلسی اصول اور ذہنی افکار و معتقدات میں عجیب و غریب اختلاف رونما
ہوا پرانی اور نئی نسلوں میں تفرقہ پیدا ہو گیا اور زمانہ جنگ سے قبل کی
تحریکات عوام و خواتین کو فروغ حاصل ہوا۔ مزدور طبقات اور سرمایہ داروں
نے اپنی تنظیم شروع کر دی۔ ملکی پیداوار میں فنی ترقی پر زور دیا گیا اور امور
مملکت میں سیاسی فرقوں کی کشمکش تیز ہو گئی۔ جنگ سے قبل اور بعد
کی تعلیم میں زمین و آسمان کا فرق رونما ہوا۔ یہ تغیر اس قدر اہم تھا کہ اس

کے اثرات تمام روئے زمین پر پھیل گئے۔ میدان جنگ میں قومیں ایک دوسرے کے قریب جا کر اپنے عیوب اور خوبیوں سے واقف ہو گئیں محکوم قومیں یورپ کی دراز دست قوموں کی آزادی کے پیش نظر اپنی غلامی کو محسوس کرنے لگیں اور تمدن کے احیا و تحفظ کی خواہاں ہو گئیں۔ مغربی سیاست اور حکمت عملی کے رازہائے سربستہ افشا ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مشرق کی محکوم اور کمزور قوموں میں آزادی کی تڑپ پیدا ہو گئی اور وہ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگیں۔

جنگ کا اثر براہ راست مشرق قریب کے ممالک اسلامیہ پر پڑا جنگ کی مصیبتوں نے ترکوں کو بیدار کر دیا۔ سلطنت ترکیہ کے وسیع و عریض مقبوضات ترکوں کو شکست سے نہ بچا سکے۔ انہیں سب سے پہلے اپنے گھر کی سوجھی، چنانچہ انہوں نے خلافت کو اپنے وطن کی محافظت کے لیے غیر مفید پایا۔ اس لیے خلافت کا الغا عمل میں آیا۔ غیور ترکوں نے واقعات سے متاثر ہو کر تعمیر وطن کی ٹھانی۔ استانبول کو چھوڑ کر انگورہ کو دار الخلافہ قرار دیا گیا، جو مقامیت کے لحاظ سے استانبول سے زیادہ محفوظ تھا، اور تجارتی اور صنعتی نقطہ نگاہ سے زیادہ موزوں مرکز تھا، نیز انگورہ کے گرد و نواح کی فضا ترکوں کی روایتی عسکریت کی پرورش کیلیے بہترین ماحول تھا۔ ترکوں نے اپنی مشکلات کا حل دور جدید کی روشنی میں ڈھونڈھا جمہوری طرز حکومت قائم کیا گیا جس کے صدر مصطفٰے کمال پاشا مقرر ہوئے عسکری تربیت لازم کر دی گئی۔ مغربی لباس اختیار کر لیا گیا چنانچہ طرپوش

دسرخ رومی ٹوپی) کو خیر باد کہہ دیا گیا۔طرز تعلیم جدید اختیار کیا گیا، نئے اصول پر جدید علوم رائج کیے گئے۔عربی رسم الخط لاطینی سے بدل دیا گیا اخبارات نئے رسم الخط میں شائع ہونے لگے۔مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اصلاحات نافذ کی گئیں۔عورتوں کے لیے پردہ ممنوع قرار دیا گیا تعلیم لازمی کر دی گئی اور مرد وزن کے حقوق کم و بیش مساوی کر دیے گئے از دواجی معاملات میں ضروری اصلاحات بحکم عمل میں لائی گئیں، الغرض ترکی نے چند سالوں میں اپنے خانگی امور کو سلجھا لیا اور دنیا کے سامنے ایک منظم قوم کی حیثیت سے اپنے آپ کو متعارف کرایا۔آج ترک عسکری، سیاسی، مجلسی اور اقتصادی حالت میں ہر طرح دنیا کی مضبوط ترین اقوام میں شمار کیے جاتے ہیں جن کے پروپیگنڈہ کے بہترین وسائل ہیں اور ہر لمحہ مغربی اقوام کے پہلو بہ پہلو اپنی ملکی قوت کو مضبوط کرنے کے درپے ہیں۔

مصری لوگ ترکوں سے کسی طرح پیچھے نہیں۔مصر اسلامی تحریکوں کا گھر ہے جہاں پر اسلامی تعلیم کا بہترین انتظام ہے۔الازہر کی مشہور یونیورسٹی میں جو کہ دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی ہے، ہزاروں طالب علم دنیائے اسلام کے ہر گوشے سے آکر تعلیم پاتے ہیں اور دنیائے اسلام کی گراں قدر سیاسی اور تبلیغی خدمات سرانجام دینے کیلئے استعداد پیدا کرتے ہیں۔مصری لوگ اپنے وطن کے معاملات میں بیحد دلچسپی لیتے ہیں انہوں نے جنگ عظیم کے بعد صحیح معنوں میں استخلاص وطن کے لیے جدو جہد کی ہے، آج سیاسیات عالم میں مصری لوگ اپنی سرگرمیوں کے لحاظ

سے ممتاز ہیں۔ یقیناً مصریوں کی تنظیم دنیائے اسلام کے لیے باعث فخر ہے فاروق اوّل مصر کا موجودہ تاجدار ہے۔

جنگ عظیم میں سلطنتِ عثمانیہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ عراق شام، فلسطین اور عرب میں علیحدہ علیحدہ نظام حکومت قائم ہوئے۔ جن کی حکومتیں یورپی سلطنتوں کے زیر سرپرستی معرض ظہور میں آئی تھیں۔ ان میں بعض نے چند سالوں کے اندر اندر اپنی آزادی کا مطالبہ کیا جو بہت حد تک کامیاب ہوئے لیکن بعض علاقے ابھی تک مغربی حکومتوں کے پنجۂ استعمار میں پھنسے ہوئے ہیں اور مختلف قوموں کے مفاد ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔ تقسیم فلسطین اور یہود و اعراب کے تعلقات کی کشیدگی ان علاقوں میں پیچیدہ صورت اختیار کر چکی ہے۔ نجد و حجاز ابن سعود کے زیر حکومت ہیں۔ جو ترقی کی راہ میں دوسرے ممالک اسلامیہ کے دوش بدوش گامزن ہیں۔

مملکت ایران بیسویں صدی کے ابتدائی میں روس اور برطانیہ کی سیاسی کشمکش کے درمیان مشکلات سے نجات پانے کی کوشش کرتی رہی۔ ایرانی نوجوانوں نے جن میں سے بیشتر مغربی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ تھے زور شور سے وطنی تحریک شروع کی جس کے لیے برلن اور دوسرے مغربی شہروں سے اخبارات جاری کیے گئے۔ ملک کی سیاسی اور مجلسی اصلاح کے لیے نئی قسم کی کتابیں لکھ کر اہل وطن کو ایران کی عظمت یاد دلائی۔ نتیجہ

یہ ہوا کہ آج ایران رضا شاہ پہلوی کے زیر حکومت ایک خودمختار ملک ہے اور اس کی سیاسی اور اقتصادی قوت روز بروز قوی ہو رہی ہے۔ مالیات ملکی میں ترقی ہو رہی ہے عسکری طاقت کو مضبوط کیا جا رہا ہے طہران اصفہان اور دیگر شہروں میں جدید طرز کے سکول کھولے گئے ہیں۔ لڑکیوں کی تعلیم کا مناسب انتظام کیا جا رہا ہے جدید ادبیات و فنون کو رواج دیا جا رہا ہے۔ افغانستان بھی اپنے ہمسایہ اسلامی ممالک کے ساتھ ساتھ ترقی میں مصروف ہے۔ امان اللہ خاں سابق شاہ افغانستان کے زمانے میں تجدید کا بے حد زور تھا، مگر افغانستان ایک قدامت پسند ملک ہے۔ تعلیم اس قدر عام نہ تھی اس لیے جاہل عوام نئی اصلاحات کا خیر مقدم کرنے کے بجائے بدظن ہو گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ مذکور کو تخت چھوڑنا پڑا۔ اس کے بعد افغانستان میں بدنظمی کا دور شروع ہوا جرنیل نادر خاں نے جو بعد میں نادر شاہ کے نام سے تخت کابل پر متمکن ہوا افغانستان میں دوبارہ امن قائم کیا اور پھر سے افغانستان کی بدحالی کو خوشحالی سے بدلنے کی کوشش کی۔ آج افغانستان ایک ترقی پسند ملک ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی قسمت یہاں کی دوسری قوموں سے وابستہ ہے ان کی مشکلات پیچیدہ ہیں چونکہ دوسری قومیں استخلاص وطن میں مصروف ہیں اس لیے یہاں کے مسلمان جہاں آزادی وطن کے خواہاں

ہیں وہاں بقائے ذات یعنی اپنے مذہب اور تہذیب وتمدن کے تحفظ
کے لیے بیقرار ہیں۔ ترک، مصری، عرب، ایرانی اور افغانی اپنے اپنے
ممالک کی فکر کے درپے ہیں۔ مفکرین اسلام کی نگاہیں ہندوستان پر لگی
ہوئی ہیں۔ یہاں کے مسلمان کریں تو کیا کریں؟ اسلامی ہند کا مستقبل مسلم
نوجوانوں کے ہاتھوں میں ہے۔ ؎

اقول لاصحابی وقد طلبوا الصلا
تعالوا اصطلوا ان خفتم القر من صدری

(قیس عامری)

عہدِ حاضر اور حیاتِ تازہ

عہدِ حاضر میں وسیع و سریع تغیر کے ماتحت عجیب و غریب انقلابات ظہور میں آ رہے ہیں۔ ذرائع رسل و رسائل میں اس قدر آسانی بہم پہنچ گئی ہے کہ انتقالِ اشیا، سفر اور پیغام پہنچانے میں عہودِ سابقہ کے مقابلہ میں بہت کم وقت لگتا ہے۔ موٹر، ریل، ہوائی اور بحری جہازوں کے ذریعہ سے لوگ کرۂ عالم کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ برقی پیغامات فضائی لہروں میں بیک وقت مختلف شہروں سے نشر کیے جا رہے ہیں۔ لوگوں کے خیالات بدل رہے ہیں۔ سائنس کی ایجادات نے بنی نوعِ انسان کے فکر کو صفا پسند اور معقول بنا دیا ہے۔ جنگ کے بعد اس تغیر کی رفتار خلافِ توقع زیادہ ہو گئی۔ قوموں کو تعمیرِ ذات اور تحفظِ تہذیب کے لیے مادی طاقت میں اضافہ کرنے کی سوجھی۔ سنہ ۱۹۱۸ء کے بعد جرمنی نے اپنی فوجی اور اقتصادی طاقت کو مضبوط کرنا شروع کیا، اور نازیت کا علم بلند کیا۔ دورانِ جنگ میں روسی نظامِ قدیم درہم برہم ہو چکا تھا۔ اور اس کی جگہ ایک نیا نظام

تعمیر کیا جا رہا تھا جس کی بنا اشتراکیت پر تھی۔ اس نظام کے معمار کسی
شئے کو مقدس یا مستقل نہیں جانتے تھے۔ مجلسی نظام کے ہر شعبے کو نئی رخ
پر قائم کیا گیا۔ روسا اور سرمایہ داروں کے لیے روس میں کوئی جگہ نہ رہی
اور مزدور کسان اور غربا کی حکومت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ روس کے لیے
ذہنی انقلاب نے اس ملک کے مجلسی اور اقتصادی نظام کو ایک نئی تشکیل د
نظریہ مارکس کے معتقدین نے دنیا بھر کی سرمایہ داری کے خلاف علم بغاوت
بلند کیا، اور دنیا بھر کے مزدوروں کے لیے مملکت روس کو مرکز عالم قرار
جس میں نعوذ باللہ خدا کے لئے کوئی جگہ نہ تھی پنج سالہ پروگرام تجویز کئے گئے، اوقا
محدود میں روسی صنعت و حرفت اور تجارت نے فروغ پایا۔ روسی زندگی
کے افسانوں اور غربا پروری کے پیش نظر اشتراکیت کا تمام مظلوم ممالک
میں چرچا ہونے لگا اور نتیجہ کے طور پر بہت سے ممالک روس کے نقش قدم
پر چلنے لگے۔ لاطینی ممالک میں سے اٹلی میں تعمیری قوتوں نے فسطائیت
کی صورت اختیار کر لی۔ مسولینی کی استعمار پرستی نے حبشہ کو ہڑپ کر لیا
اور سپین میں ان کے ہمہ گیر اثرات سے مشتعل ہو کر خانہ جنگی کی نوبت
آئی جو دیگر اقوام مثلاً روس جرمنی اور اٹلی کے مفاد کی ٹکر سے طول پکڑ گئی
اور سپین کی تباہی کا باعث بنی جس کے گرد لاطینی اور شمالی قوموں میں
تہذیب و تمدن کی کشمکش جاری ہے۔ اٹلی کی طرح جرمنی گزشتہ چند
سالوں سے دوران جنگ میں کھوئے ہوئے علاقوں کی واپسی کا مطالبہ
کر رہا ہے، اس لیے یہ دونوں ملک مجلس اقوام سے علیحدگی کے خواہاں

رہے ہیں جرمنی کی تازہ ترین سرگرمیاں آسٹریا پر قبضہ کی شکل میں رونما ہوئی ہیں اور اس کے بڑھتے ہوئے عزائم سے فرانس خائف ہے، انگریز یورپی معاملات کی پیچیدگی سے بے خبر نہیں۔ مشرق بعید میں جاپان اپنی سلطنت کو وسط ایشیا اور مشرقی ایشیا میں توسیع دینے کے درپے ہے اور وسط ایشیا سے نکل کر اسلامی ممالک سے راہ و رسم پیدا کر رہا ہے۔ مانچوریا پر جاپانی قبضہ ہے گزشتہ سال سے جاپان اور چین کے درمیان جنگ ہو رہی ہے جس میں چین صیدِ زبون ثابت ہوا ہے۔ اس تصادم میں روس کو ایک گونہ شرکت ہے۔ امریکہ اور انگلستان بحرالکاہل میں اپنے مفاد کی شدت سے حفاظت چاہتے ہیں۔ مشرق میں سنگاپور کو جنگی ضروریات کے لیے مضبوط کیا جا رہا ہے۔ مشرق قریب میں اسلامی ممالک جن کا قافلہ سالار ترکی ہے، اتحاد باہمی کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ مستعمرینِ مغرب کا قصرِ ہوس شام و فلسطین میں صرصرِ حوادث سے متزلزل ہو رہا ہے۔

جرمنی اور ریاستہائے متحدہ امریکہ روپیہ جمع کرنے میں مصروف ہیں ہزارہا فیکٹریاں مختلف قسم کی مصنوعات تیار کرنے میں مشغول ہیں جس طرف دیکھو لوہا اور تانبا ہی نظر آتا ہے برلن شکاگو اور نیو یارک کی فیکٹریوں نے ایک نئی تہذیب قائم کر رکھی ہے جس کی بنیاد قریباً سو فی صدی مادیت پر ہے۔ آئن سٹائن امریکائی ذہن پر تحیر سے ہنستا ہے۔ دنیا کے شور و غوغا میں جبکہ جرمنی اور اٹلی میں جمہوریت کو ٹھکرایا جا رہا ہے۔ فرانس اور انگلستان اس کے محافظ ہیں، انجام کار جمہوریت کی فتح میں یقین

رکھتے ہیں، اور زمانے میں قیام امن کے درپے ہیں۔ مجلس اقوام ایک لاشے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تاہم اس کی رگوں میں نیا خون داخل کیا جا رہا ہے مجلس مذکور کی ناکامی نے ثابت کر دیا ہے کہ سرِدست قومیں اس قدر مہذب نہیں کہ معاملات کو صلح و آشتی سے نپٹائیں خیال ظاہر کیا جا رہا ہے کہ جنگ ایک امر ناگزیر ہے جس کی سیاسی قوا کے توازن کے لئے اشد ضرورت ہے۔ یورپ کی روزافزوں مادی ترقی نے ایشیائی قوموں کو مادیت کی ضرورت کا احساس دلایا، چنانچہ جاپان نظام کہن کو خیر باد کہہ چکا ہے اور اس کی موجودہ طاقت مغربی ممالک کے دوش بدوش مشین اور سائنس پر ہے، جہاں پر توپ و تفنگ اور بارود کا استعمال چابکدستی سے سیکھا گیا ہے مشرق بعید میں آج جاپان درجہ اول کی طاقت ہے جس کا ایشیائی سیاسیات پر گہرا اثر پڑ رہا ہے یہاں صنعت و حرفت کی ترقی کی یہ حالت ہے کہ ہندوستانی منڈیاں گراں ٹیکس کے باوجود جاپانی مصنوعات سے طوفان زدہ ہیں، اور ملکی صنعت و حرفت پر اُس کے اثرات مہلک ثابت ہو رہے ہیں۔

ترکی جاپان کی طرح ایشیا میں خاص اہمیت حاصل کر رہا ہے۔ جس کا سیاسی اثر مشرق قریب میں کچھ معمولی نہیں۔ ایشیائی ممالک میں آج بالعموم مشین کا استعمال زیادہ رواج پا رہا ہے، اگرچہ ایشیائیوں کی روحانی تہذیب اس معاملہ میں قدامت پسند واقع ہوئی ہے تاہم مشین کا رواج روزافزوں ہے اور کچھ عجب نہیں کہ ایشیا پھر سے یورپ کے

مقابلہ کے لیے اُٹھے ہانگ کانگ، بنکاک، سنگاپور، بمبئی، مدراس، کلکتہ عبادان، بغداد، استانبول، بخارا، سمرقند، لاہور، کابل اور طہران مغربی شہروں کے قریب قریب جا رہے ہیں جہاں پر دورِ جدید کی ضروریات بآسانی مہیا ہو سکتی ہیں۔

جنگ عظیم کے بعد قوموں کے خیالات نسل اور قومیت کی طرف زیادہ منتقل ہو گئے نسل اور تہذیب کو لازم و ملزوم سمجھا جانے لگا اور جغرافیائی حدود کے اندر اصول قومیت پر اس شدت سے عمل کیا گیا کہ قومیں سیاسی مجلسی اور اقتصادی معاملات میں ایک دوسرے سے بیگانہ ہو کر دست و گریبان ہونے لگیں اور تغلب کے لیے طاقت کا جارحانہ استعمال روا قرار دیا گیا۔ قومیت کی وبا نہ صرف یورپ تک ہی محدود رہی بلکہ ایشیائی اور افریقائی ممالک میں پھیل گئی اس طرح قوموں کے باہمی ارتباط کے امکانات دور افتادہ ہو گئے حاکمیت اور اقتصادی اقتدار کی بنا پر سفید قومیں رنگدار قوموں سے نفرت کرنے لگیں۔ اس مسئلہ نے یورپ اور امریکہ میں ناخوشگوار قسم کی پیچیدگیاں پیدا کر دیں بالعموم لوگ اقتصادی نشہ میں مذہب سے بیزار ہو رہے ہیں اس لیے مختلف قسم کی مجلسی مشکلات پیدا ہو رہی ہیں، کیونکہ انتہائی طور پہ مادہ پرستی سے اخلاقی نظام قائم نہیں رہ سکتا۔

عہد حاضرہ میں جب کہ مغرب مادہ پرستی سے مصائب میں پھنسا ہوا ہے اور تہذیب و تمدن کو ایک خوفناک خطرہ لاحق ہے، مشرق بھی

مغرب کے نقشِ قدم پر چل رہا ہے مشرق کی روحانی تہذیب نے مادی زوال کے علاوہ یہاں کے ممالک کو تنازع للبقا کے ناقابل بنا دیا چونکہ یہاں مادی ترقی کی ضرورت ہے، اس لیے مشرق میں مادی ترقی سے خوشگوار حالات پیدا ہو رہے ہیں۔ مغرب میں مادی ترقی کمال کو پہنچ رہی ہے۔ وہاں پر مادہ پرستی نے روحانیت کو مفلوج کر رکھا ہے؟ اس لیے وہاں کے مجلسی دنیا میں نئی نئی مشکلات پیدا ہو رہی ہیں جس کیلیے سینکڑوں قسم کے قوانین بنائے جا رہے ہیں۔ مجلسی نظام میں مذہبی عنصر کے مٹ جانے سے روحانی کیفیات معدوم ہیں اس لئے مغربی تہذیب مادے کے ہاتھوں خطرے کا سامنا کر رہی ہے۔ مشرق و مغرب میں نظامِ عالم کی ہمہ گیر قوتوں کے پیش نظر طوفانی تموج پیدا ہو رہا ہے اگرچہ اس تموج کا اثر ایشیا میں کمتر ہے تاہم یورپی حلقوں میں موجودہ تہذیب کی بقا کا سوال پیدا ہو چکا ہے اور جنگِ عظیم کے بعد کے تغیرات کے پیش نظر موجودہ تہذیب کی قسمیں متعین کی جا رہی ہیں اس معاملہ میں مفکرین کی ایک کثیر جماعت غور و فکر کر رہی ہے جو بار بار پوچھ رہے ہیں کہ آیا موجودہ برق رفتار طیارے، موٹریں، ریڈیو، برلن، لندن، پیرس اور نیویارک کے عظیم الشان ہوٹل تہذیب ہیں؟ نیز موجودہ بے چینی اور پر شور زندگی موجودہ تہذیب کی کب تک حامل رہے گی؟

مختلف ممالک کے سیاستدان اس قسم کے مسائل میں قوموں کے انجام میں دلچسپی رکھتے ہوئے اخلاقی قسمیں دریافت کر رہے ہیں جو

قومی معاملات میں ایک متحرک قوت کا حکم رکھتی ہیں تہذیب کے متعلق اس قسم کے سوالات کا پوچھا جانا کچھ ایک یا دو دن کی بات نہیں بلکہ اس کا انحصار واقعات و اشیا پر ہے جو ایک متحرک نظام کا حکم رکھتے ہیں اوقات گزرنے پر ماضی کے اسباب دور افتادہ ہو کر خود بخود مناسبت اختیار کر لیتے ہیں۔ تہذیب جدید کے مستقبل اور قیمتوں کے متعلق اندیشہ مبہم ہے جس کا احساس زندگی کے ہر شعبہ میں کیا جارہا ہے۔ بین الاقوامی نسلی اور اقتصادی قوتیں اس مسئلہ کے متعلق ہماری پریشانیوں میں اضافہ کررہی ہیں اور آئندہ کرتی رہیں گی ان قوتوں کے مختلف نتائج واقعات کو پیچیدہ کررہے ہیں، اور حقائق آخری مستور ہو کر رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک امریکائی فاضل کے قول کے مطابق جبکہ ہمارے کتب خانوں کی الماریاں اس مضمون پر کتابوں کے بوجھ سے دبی جارہی ہیں، ان کے دلائل میں وضاحت اور خلوص کے بجائے پریشانی کا عنصر غالب ہے،

بعض حلقوں میں سرمایہ داری کو کوسا جارہا ہے، دوسری جگہ سائنس اور مشین کو متہم کیا جارہا ہے۔ کہیں مادہ پرستی کو تمام آلام کا مبدا ٹھیرایا جارہا ہے کہیں روحانی تہذیب کی طرف لوٹنے پر زور دیا جارہا ہے الغرض اس دور میں جب کہ عالم ایک ہمہ گیر شور و غوغا اور تموج میں گھرا ہے اور قومیں لگاتار آفات کے بعد وحشیانہ قوت کے زور پر لطافت کی طرف مائل ہو رہی ہیں، ضرورت ہے کہ عہد حاضر کی نفاق و واقعات سے نتائج اخذ کئے جائیں تاکہ عہد حاضر میں حیات تازہ

کے درجۂ اعتدال کی کیفیات کا اندازہ ہو سکے۔

قوائے ماضی کا نتیجہ حال کی صورت میں ہمارے پیش نظر ہے ابتدائی قوتیں فروعی صورتوں میں مبہم نتائج پیدا کر دیتی ہیں اور ایک ہی قسم کے اسباب سے ایک ہی قسم کے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ موجودہ دور کی قوتوں میں دنیوی عنصر غالب ہے، اور مذہب کا اثر معدوم ہو چکا ہے گویا کہ یہ قوتیں عہد ماضی کا رد عمل ہیں جس میں مذہب روحانیت اور جمود و خمود کا دور دورہ تھا موجودہ زمانے کی ایجادات اور معلومات نے افکار کہنہ میں انقلاب برپا کر دیا اور مذہبی مجلسی حلقوں میں ایک نئے نظام کی بنیاد رکھی گئی جس کی رو سے قومیں ایک دوسرے کے قریب آ رہی ہیں بہت حد تک نسلی امتیاز مٹ رہا ہے چونکہ تغیر ایک متحرک جسم کی طرح حرکت میں حد قائم نہیں کر سکتا، بلکہ اندھی طاقت کے ماتحت نظام عالم میں اثر انداز ہوتا ہے اس لیے دور جدید میں زندگی ابھی تک اعتدال قائم نہیں کر سکی چونکہ مغربی قومیں روح تغلب کی تسکین کیلیے مادی ترقی کے پیچھے دیوانہ ہو رہی ہیں اسلیے کمزور اور مظلوم قوموں کیلیے مادی ترقی کی ضرورت ہے چونکہ مادی ترقی مشین کے بغیر ناممکن ہے، اسلئے سائنس اور مشین سے استفادہ لازم ہے۔ دور حاضر کی ایجادات سے روگردانی کرنا افلاس اور بیچارگی سے ہم آغوش ہونے کے مترادف ہے معلومات جدیدہ کی روشنی میں ذہنی دنیا میں افکار و معتقدات کی اصلاح و محافظت لازم ہے کیونکہ تغیر اوقات کے ساتھ ساتھ افکار ارتقا چاہتے ہیں ورنہ ذہنی مرکز قائم نہیں رہ سکتا، دنیا کی تمام قومیں اور ہر قوم کے افراد تنازع للبقا میں مصروف ہیں کوئی قوم یا فرد خوابیدہ حالت میں بلندی کے مدارج طے نہیں کر سکتا۔ صبح و شام

کی جدوجہد سے مشکلات کو حل کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ دور بعض حیثیتوں سے مختلف ہے، ورنہ زمانے میں اس قسم کے دور آتے جاتے رہتے ہیں اور ان کے ساتھ عجیب و غریب مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ عہد حاضر ایک تاریخی دور ہے، اور حیات تازہ ہنگامہ خیز اوقات پر مشتمل ہے۔



مسلمانانِ ہند

۱۷۰۷ء میں سلطنتِ مغلیہ کا اولوالعزم تاجدار اورنگ زیب عالمگیر (علیہ الرحمتہ) جسے آج ترکشِ اسلام کا خدنگ آخری تصور کیا جاتا ہے راہئ ملکِ بقا ہوا (طاب ثراہٗ)

عالمگیر کی وفات کے بعد امورِ سلطنت روز بروز پیچیدہ ہونے شروع ہوئے۔ بالخصوص اس کی اولاد سیاسی اور انتظامی معاملات کو سرانجام دینے سے قاصر رہی۔ مغل تعیش کے پیمانے کو ضرورت سے زیادہ چکھ چکے تھے اس لیے ان کے ذہن و جسم پر تعطل کے آثار پیدا ہوئے اکثر بڑے آدمیوں کی اولاد کی طرح عالمگیر کی اولاد اپنے بزرگوں کے صفاتِ عظمت و فراست سے بہت حد تک معرا تھی، اور تاتاری خون ہندی آمیزش کی وجہ سے تیموریت کے مظاہرے سے قاصر تھا۔

نہ فقر کے لیے موزوں نہ سلطنت کے لیے
وہ قوم جس نے گنوایا متاعِ تیموری (اقبالؔ)

عالمگیر سے پہلے اکبر کے دور میں لبعد کے زوال کا بیج بویا جا چکا تھا بادشاہ مذہب سے بیگانہ تھا، اور اس کے گرد و نواح ابوالفضل اور دیگر حاشیہ نشین ایشیائی دربار کی مجبوریوں سے آزادیٔ فکر کی تلاش میں راہِ حقیقت سے بھٹک چکے تھے اِس دور کی آزادی سے مغلوں کے وقار کو صدمہ پہنچا تیموری شہزادے اسی عہد کی ذہانتِ فکری سے مجبور ہو کر عیسائی، یہودی برہمن اور صوفی رہنماؤں کے درمیان گھر رہے تھے۔ داراشکوہ شاہجہان کا سب سے بڑا لڑکا اس قسم کی مذہبی عیاشیوں کا دلدادہ تھا، ویدانت اور تصوف کے تخیل سے اپنے آپ کو عنکبوتی تاروپود میں الجھائے ہوئے تھا۔ شاہجہان کے بیٹوں میں تخت کے لیے خونیں مقابلہ ہوا۔ اس المناک خانہ جنگی کے دوران میں سلطنتِ مغلیہ کے بہترین سپاہی کام آئے باقیماندہ عالمگیر کی مہمات دکن و راجپوتانہ میں ضائع ہو گئے۔ عالمگیر کے بعد تخت و تاج کی ہوس میں سینکڑوں تیموری شہزادے خوفناک سازشوں میں موت کے گھاٹ اتار دئیے گئے مرورِ اوقات کے ساتھ فراوانیٔ زر و تعیش نے مغلوں کے جسم و جان کو زہر آلود کر رکھا تھا، حالات کو بدلنے کے لیے کوئی مستقل کوشش نہ کی گئی۔ روحِ تغلب پژمردہ ہو چکی تھی۔ زمانے کی قوتیں تعیش اور جمود و خمود کے لیے انتقام چاہتی تھیں، اس لیے تمام قسم کی تحریکات جو زندہ قوموں کا خاصہ ہیں مٹ چکی تھیں۔ آئندہ ان کے احیا کے امکانات مفقود ہو چکے تھے علماء کو مذہبی شغف سے فرصت نہ تھی اور وہ اس حقیقت کو بھول چکے تھے کہ

مذہب اور سیاست ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں بقائے مذہب
کے لیے سیاسی کامگاری کی اشد ضرورت ہے۔ نیز علماء و شاہان وقت
اعلاء کلمۃ الحق کے جہاد کی جرأت کھو بیٹھے تھے۔ فرخ سیر سید برادران
کے ہاتھوں نالاں رہا محمد شاہ کے زمانے میں نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کیا
نادر شاہ نے دہلی میں قتل عام برپا کیا۔ اور بے حد و حساب زر و مال کے ساتھ
واپس لوٹا۔ اس حملہ نے سلطنت مغلیہ کے تابوت میں آخری کیل گاڑ دی
غلام قادر روہیلے نے شاہ عالم ثانی کی آنکھیں نکال دیں غرض یہ کہ سلطنت
مغلیہ انیسویں صدی کے اوائل میں شمع سحری تھی، جسے ۱۸۵۷ء کی صرصر
حوادث نے یک بیک بجھا دیا۔

ع

یاد آر ز شمع مردہ یاد آر

۱۸۵۷ء کے انقلاب نے ہندوستان میں ایک نئے دور کی بنیاد
رکھی انگریزی اقتدار کا سکہ رواں ہوا، اور ہندوستانی اپنے ماحول میں نئی قوتوں
کی کارفرمائی سے غیر متاثر نہ رہ سکے۔ سلطنت ہاتھ سے جاتے ہی مسلمان
خواب گراں سے بیدار ہوئے۔

ع

جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم خزاں کا تھا

دہلی، لکھنؤ اور دیگر اسلامی مراکز میں مسلمانوں نے اپنی بیچارگی کو محسوس
کرنا شروع کیا۔ سرسید اور ان کے رفقا نے حاکم قوم سے اشتراک اور اصلاح
و تعمیر کی طرف توجہ دلائی۔ اور موجودہ مشکلات کا حل تعلیم اور عہد نو کی روشنی
میں ڈھونڈا۔ اس سلسلہ میں قدامت پسند طبقہ نے ان کی مخالفت کی بالخصوص

سید علیہ الرحمۃ چونکہ معاصر فرنگی تخیل سے بہت متاثر تھے، اور اس کی روشنی میں فکر اسلامی کو تشکیل دے رہے تھے، اس وجہ سے علما کا طبقہ ان سے بہت حد تک بدظن تھا، تاہم نواب محسن الملک اور مولانا حالی مرحوم ایسے بزرگان قوم نے سرسید کا ساتھ دیا۔ علی گڑھ میں ایم۔ اے۔ او کالج کی بنیاد رکھی گئی جو موجودہ مسلم یونیورسٹی کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ علیگڈھ کالج نے بے شمار قابل اور صحیح الذوق نوجوان پیدا کئے، جنہوں نے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں قابل تحسین اسلامی خدمات سرانجام دیں۔ سرسید کی تحریک تعلیم و اصلاح سے متاثر ہو کر دوسرے صوبوں میں سرکردہ مسلمانوں نے خدمت کے لیے کمر ہمت باندھی اور مختلف اسلامی ادارے قائم کئے۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد ہندوستان کی دوسری قوموں کو بھی ہوش آیا۔ مغربی تعلیم نے ہندوستانی لوگوں کو نئے علوم سے روشناس کرایا، جس سے قومی اصلاح کا آغاز ہوا اور مغربی علوم تاریخ، سیاسیات اور اقتصادیات نے ہندوستانیوں کو اپنے ملکی امور میں مغربی نقطۂ نگاہ سے تفحص کرنے پر آمادہ کیا۔ مغرب کی آزادخیالی، جمہوری اصول حکومت، تقریر و تحریر کی آزادی نے مشرق کو اپنے وطن کی بدحالی کا احساس دلایا، چنانچہ ملکی حالات کو بہتر بنانے کے لیے ایک ہمہ گیر جذبہ پیدا ہو گیا۔ ۱۸۸۵ء میں آل انڈیا کانگرس کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اور اوائل میں اس جماعت کا مطمح نظر اعتدال پسندی تھا، مگر وقت گزرنے پر ملک کے حالات بدلتے گئے اور اس جماعت نے استخلاص وطن کے لیے قومی نظریہ اپنے سامنے رکھا اور

روز بروز اتحاد کی طرف مائل رہی بیسویں صدی کے اوائل میں جب کہ تقسیم بنگال کا مسئلہ درپیش تھا، اس جماعت نے حکومت کو اپنے اثر اور طاقت کا ثبوت دیا۔ جنگ عظیم کے بعد جب کہ قومیں میدان جنگ میں اپنے اور دوسری قوموں کے محاسن و عیوب کا اندازہ کر چکی تھیں اور اپنے ملک کی مشکلات کو جلد سے جلد حل کرنے کی فکر میں تھیں ہندوستانی سیاسیات نے عجیب و غریب پلٹا کھایا جس کی ابتدار ولٹ ایکٹ سے ہوئی۔ جنگ عظیم کے بعد خلافت عثمانیہ کا الغا عمل میں آ چکا تھا۔

ہندوستانی خلافت کے الغا سے بہت بدظن تھے۔ اور خلافت کو ایک یا دوسری شکل میں قائم رکھنے کے متمنی تھے اس سلسلہ میں سر آغا خاں اور سید امیر علی مرحوم نے بہت دوڑ دھوپ کی۔ ہندوستانی قوم پرستوں نے مسئلہ خلافت کے ساتھ ہمدردی کی اور ہندو مسلم اتحاد سے تحریک عدم تعاون شروع ہوئی۔ علی برادران تحریک خلافت کے علمبردار تھے۔ تحریک عدم تعاون نے تھوڑے سے عرصہ میں نازک صورت اختیار کر لی مگر چند در چند وجوہات کی بنا پر یہ تحریک ناکام رہی۔ پھر اس کے بعد تحریک عدم تعاون شروع کی گئی مگر مسلمان کئی وجوہات کی بنا پر ہندوؤں سے بدظن ہو چکے تھے، اس لئے تحریک عدم تعاون کی کامیابی کے امکانات مفقود ہو گئے۔ ہندوستان کی سیاسی بے چینی کے پیش نظر لندن میں گول میز کانفرنس منعقد کی گئی، جہاں پر ہندوستانی اکابر کے مشورہ سے نئی اصلاحات کی تجویز درپیش تھی ۱۹۳۷ء میں نئی سکیم اصلاحات پر عمل درآمد شروع ہوا لیکن

کانگریس نئی اصلاحات کے قبول کرنے میں ہچکچا رہی تھی، اور صوبوں کے گورنروں سے وزرا کی سرگرمیوں میں عدم مداخلت کا یقین چاہتی تھی۔ کچھ عرصے کے غور و خوض کے بعد کانگریس نے قلمدانِ وزارت سنبھال لیا اور ہندوستان کے سات صوبوں میں کانگریسی وزارت قائم ہوئی کانگریس کے موجودہ طرزِ عمل سے ہندوستانی سیاسیات کا رُخ بدل رہا ہے۔ اکثریت اور اقلیت کے مسائل پیچیدہ ہو رہے ہیں، بالخصوص مسلمان اپنے مذہب اور تہذیب و تمدن کے تحفظ کے لئے آپ نے آپ کو غیر معمولی حالات سے متصادم دیکھتے ہیں۔

اس نازک مرحلے پر لامحالہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگ کدھر جا رہے ہیں؟ آیا ہندوستانی سیاست میں نظریہ وطنیت اور اغیار کے تغلب کا نتیجہ ہماری غلامی اور انجذاب تو نہیں ہوگا؟ کیا ہم ہندوستانی سیاسیات پر حسب خاطر اثر انداز ہو سکتے ہیں؟ اس قسم کے سوالوں نے مسلمانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ایک وہ گروہ ہے جس سے جمعیۃ العلماء ہند متعلق ہے جو ہندوستانی سیاسیات میں استخلاص وطن کے لیے ہر ممکن کوشش کو ثواب جانتے ہیں، اور دوسرا گروہ مسلم لیگ اور قدامت پسند مسلمانوں کا ہے جو ہندوستان میں تحریک وطنیت اور غلبہ ہنود کو شک کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں، قانون ساز مجالس اور دفاتر میں نشستوں اور ملازمتوں کا تحفظ چاہتے ہیں، اور اکثریت سے اشتراک سے پہلے اپنے مذہب اور تہذیب و تمدن کی حفاظت چاہتے ہیں۔ آخر الذکر گروہ مسلمانوں کے سوادِ اعظم کا

حکم رکھتا ہے یہ سچ ہے کہ دنیا میں کوئی قوم ذاتی تحفظ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، مگر قومیں جدوجہد سے زندہ رہتی ہیں۔ کوئی قوم اپنی منفی سرگرمیوں سے اپنے لئے بقا حاصل نہیں کر سکتی اور نہ ہی بیچارگی کے عالم میں دوسری قوموں کی جدوجہد کو روک سکتی ہے۔ موجودہ دور میں مسلمان عدم حرکت اور جہالت کا شکار ہو رہے ہیں۔ جماعتی حیات میں سکون کی حالت محال ہے۔

گویند بہشت است و ہمہ راحت جاوید
جائے کہ بداغے نہ تپد دل چہ مقام است

(بیدل)

جماعت یا تو خود فعّال ہو کر دوسری قوموں کے ساتھ شریک ہنگامہ ہو ورنہ اس کے اندر خود بخود ایسے ذہنی اور جسدی جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں جو کچھ عرصے کے اندر فنا کا پیغام ثابت ہوتے ہیں۔ فعّال قومیں اعداد کے لحاظ سے خواہ کس قدر کم ہوں فنا نہیں ہو سکتیں وہ اپنی زندگی کے ساتھ تہذیب و تمدن کو خود بخود محفوظ رکھتی ہیں۔ کسی قوم کے اعداد و شمار کی زیادتی اس کو فنا سے نہیں روک سکتی۔ قومیں خاص قسم کے غلامانہ ذہن اور جسم رکھتی ہیں جس تہذیب و تمدن میں ماحول اور زمانے کی طاقتوں کے مقابلے کی سکت ہے۔ بالفاظ دیگر عوام کے جو افکار و معتقدات زمانے کے تغیر و تبدل میں قائم رہ سکتے ہیں اور عہد رواں کے علوم و حقائق پر پورے اترتے ہیں، ان کے مٹنے کی توقعات بہت کم ہیں۔ اسلام مذاہب

عالم میں سے جدید ترین مذہب ہے۔ چونکہ اس کی بنیاد حقائق فطرت پر ہے اور ہر ماحول میں انسان کے ذہنی مطالبات کو پورا کرتا ہے، لہٰذا بنی نوع انسان کے مذہب عمومی کا حکم رکھتا ہے، اس لیے دوسرے مذاہب اس میں جذب ہو سکتے ہیں۔ اسلام بذاتہٖ قائم ہے۔ اسلام مسلمانوں کے تحفظ کا محتاج نہیں، البتہ اسلام مسلمانوں کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اسلام کے مٹنے یا مسلمانوں کے دیگر قوموں میں انجذاب کے امکانات بعید ہیں۔ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان اقلیت عظمیٰ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک عظیم الشان تعداد نفوس ہے جو کئی ایک ممالک اسلامیہ کی آبادی کے برابر ہے۔ یہ اقلیت بذات خود ایک قوم ہے، جو ہندوستانی سیاسیات کو زیر اثر رکھ سکتی ہے، کیونکہ یورپ کے ترقی یافتہ ممالک میں مضبوط اقلیتیں حکومت پر بے پناہ اثر ڈالتی ہیں۔ اکثریت اقلیت کے بغیر بیچارہ ہے۔

ہندوستان میں اسلامی قیادت قابل اصلاح ہے۔ ہماری قیادت میں شخصیت کو بہت بڑا دخل ہے، اور قائد کی بیشتر سرگرمیاں نقطۂ ذات کے گرد گھومتی ہیں اس صورت حال نے پڑھے لکھے طبقہ کو بدظن کر رکھا ہے ہمسایہ قوموں نے بلند پایہ رہنما پیدا کئے ہیں جن پہ انہیں کامل یقین رہا ہے۔ اور عوام ان کے ہاتھوں میں اپنے مستقبل کو محفوظ دیکھتے رہے ہیں ہندو رہنماؤں کی صف میں کانگرسی اشتراکی مہاسبھائی سب شامل ہیں مگر وہ سب ہندو ہیں۔ اور ہندو تہذیب و تمدن کی نگہداشت

کے لیے بیتاب رہتے ہیں۔ مسلمان رہنماؤں کو قوم کا اعتماد کم حاصل ہے کیونکہ اول تو ہمارے رہنما اپنے سامنے بلند معیار نہیں رکھتے، جو انہیں قربانی اور مفادِ عامہ کے لیے بیتاب رکھ سکے اور خود غرضی اور نفس پرستی سے بچائے دوسرے عوام جاہل ہیں، اس لیے رہنماؤں کے ہاتھوں سے اکثر مضمحل اور پریشان رہتے ہیں تعلیم یافتہ طبقہ میں روح الاجتماع غائب ہے اور زوال پذیر قوم کے افراد کی طرح اعتماد نفسی اور باہمی رواداری کھو بیٹھے ہیں حسد و بغض اور نفاق کی فراوانی ہے اس لئے اکثر مذہبی اور مجلسی تحریکات ناکام رہتی ہیں۔ علماء کا طبقہ قابل رحم حالت میں ہے۔ یہ لوگ ایک دوسرے سے حسن ظن رکھنا گناہ سمجھتے ہیں۔ عہد حاضر کی مشکلات کے پیش نظر عام مسلمانوں سے ملنا اور ان کی رہنمائی کرنا اپنی تحقیر سمجھتے ہیں۔ علوم جدیدہ سے کلیتہً بے بہرہ ہیں اور اس سعادت کو باعثِ فخر جانتے ہیں۔ ع

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد امرا کو ایک نئے ماحول میں نئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ قوم کے افراد کو مجتمع رکھنے والی قوت منتظمہ کمزور پڑ گئی۔ آج امرا نشۂ دولت میں مخمور ہیں۔ اور ان میں وہ جذبات بلند جو قوموں کو پستی سے بلندی تک پہنچا دیتے ہیں، بہت حد تک مفقود ہیں۔ ہمسایہ قوموں کے امرا قومی مشکلات میں ان کی آئے دن دستگیری کرتے ہیں۔ ہمارے امرا ابھی ایک دوسری قسم کی ڈور دھوپ میں مصروف ہیں، مگر وہ وقت کچھ دور نہیں کہ یہ لوگ اس خوابِ گراں سے جاگ اٹھیں (بپرسید کہ ایں آتش

از کجا در سرائے من افتاد؟ گفت از دود دل درویشاں) ہندوستان میں مغربی اثرات روز بروز عام ہو رہے ہیں جمہوری طرز حکومت کو رواج دیا جا رہا ہے، اور زندگی مغربی قالب میں ڈھالی جا رہی ہے۔ سرمایہ اور محنت کی کشمکش کے ساتھ ساتھ ملک میں صنعت و حرفت ترقی پر ہے۔ کسانوں اور مزدوروں کی بیداری نے عوام میں اشتراکیت کو عام کر دیا ہے۔ دوسری قوموں کے ذی ثروت رہنماؤں کی تحریکوں کی بنیاد عوام کی ہمدردی پر ہے مگر ہمارے امرا کی لغت میں اس قسم کی ہمدردی کے کوئی معنی نہیں۔

کسی زمانے میں مساجد علماء سے آباد تھیں، اور مساجد کے ساتھ عظیم الشان مدرسے ملحق تھے۔ علماء کی صحبت سے فیض اٹھانے کے لئے طلبہ سینکڑوں میلوں کا فاصلہ طے کرتے اور ان مکاتب سے بلند مرتبہ جید علماء پیدا ہوتے تھے۔ موجودہ دور میں مساجد و مکاتب میں علم کے سرچشمے بند ہو چکے ہیں کبھی وہ زمانہ تھا، کہ تمام ہندوستان کے مختلف شہروں میں عظیم الشان مدارس تھے۔ لاہور، دہلی، نارنول، آگرہ، فتحپور سیکری، بدایوں، سیالکوٹ، رامپور، الہ آباد، فرخ آباد، جونپور، بنارس، غازیپور، ڈھاکہ، مرشد آباد، گلبرگہ، گولکنڈہ، بیجاپور میں اسلامی دور میں عام و خاص طبقات کے لیے علوم و فنون کی تحصیل کا مناسب انتظام تھا، مگر ہمارے زمانے میں علوم اسلامیہ کا خاطر خواہ انتظام نہیں۔ موجودہ مکتب دل و دماغ کو بیدار کرنے سے قاصر ہیں۔ استاد خود بے خبری کے عالم میں قال اقول کی رٹ لگاتے ہیں۔ طرز تعلیم میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ طالب علم کو دور جدید کی زندگی کے لیے

تیار نہیں کیا جاتا۔ اس تعلیم کی بنیاد یونانی علوم پر ہے اس لیے بیسویں صدی کی تعلیم سے کئی صدیاں پیچھے ہے۔ اس زمانے میں کسی نوجوان کو اس قسم کی تعلیم دینا یقیناً بہت بڑا ظلم بلکہ جرم ہے۔ رونا یہ ہے کہ مشرقی مکاتب کے اساتذہ اور طلبہ علوم جدیدہ پر جن کی روشنی میں قومیں مختلف ایجادات سے دنیا بھر کے ممالک پر حکومت کر رہی ہیں تحقیر سے ہنستے ہیں، اور اپنے آبا کے ذوق علم اور تجسس سے یکسر بے بہرہ ہیں۔

اُطلبوا العلم ولو کان بالصین ط

مساجد اور مکاتب کے علاوہ عہد اسلامیہ میں خانقاہوں میں اہل نظر گوشہ نشینی اختیار کرتے تھے، جو صحیح معنوں میں عالم اور فقیہ ہوتے تھے جن کے فیض نظر سے مخلوق مستفید ہوتی تھی گویا کہ یہ مقامات تبلیغی پلیٹ فارم تھے۔ لاہور، دہلی، اجمیر اور دیگر اولیا کے مزارات پر روشن ضمیر فقرا کا ہجوم ہوتا تھا۔ اب وہ لوگ معدوم ہو چکے ہیں، اور ان کی جگہ شپرہ چشم کور باطن گداگر استخوان فروشی میں مصروف ہیں۔ ع

بدنام کنندۂ نکو نامے چند

کسی ملک کی ترقی کے لئے عوام کی اصلاح قدم اول ہے، کیونکہ ملک کی سیاسی نجات کا دارومدار عوام پر ہے۔ اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ تعلیم کو عام کیا جائے، اور عوام کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کی جائے جس کیلئے حکومت کی امداد کی ضرورت ہے۔ انگلستان میں جب قومی اصلاح کی طرف توجہ کی گئی، تو قوانین غلہ سے ابتدا کی گئی۔ تعلیم

کے لیے پبلک سکول کھولے گئے جیلخانوں کی اصلاح کی گئی۔ متعدی امراض مثلاً چیچک وغیرہ کا ٹیکہ سے انسداد کیا گیا۔ عوام کی سب سے بڑی مصیبت یا مرض غربت ہے یہ لوگ ننگے اس لیے رہتے ہیں، کیونکہ ان کے پاس کپڑے نہیں صحت اس لیے خراب ہے کیونکہ حرارت غریزی قائم رکھنے کیلئے پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ بچوں کی تعلیم و تربیت سے معذور ہیں کیونکہ پیسہ نہیں رکھتے۔ مویشی اس لیے رہائشی مکانات میں باندھتے ہیں کہ رات کو سردی سے محفوظ رہتے ہیں۔ مکانوں میں روشندان اسلیئے نہیں رکھتے کہ انہیں سردی ستاتی ہے۔ جہالت کو اس لیے عزیز جانتے ہیں کیونکہ علم کے مقابلے میں انہیں ذہنی سکون اور قرار دیتی ہے، اور زندگی کے بار گران کو اٹھانے کے قابل بناتی ہے غرض یہ کہ عوام کی مشکلات غربت سے ہیں۔ ان کی اصلاح اقتصادی نظریات کے پیش نظر ہونی چاہیئے۔ محض ریڈیو کے دیہاتی پروگرام ان کی مشکلات میں تخفیف نہیں کر سکتے۔

کسی قوم کی نجات کے لیے صحیح نظام تعلیم کی ضرورت ہے جو قوم کی ضروریات ماحول اور وقت کے مطالبات کے پیش نظر تجویز کرنا چاہیے یقیناً ہندوستان کا موجودہ نظام تعلیم مسلمانوں کی صحیح ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا، چنانچہ اس نظام تعلیم نے خاص قسم کی شخصیتیں پیدا نہیں کیں۔ جو زمانے کے حالات کو مناسبت پر مجبور کرتی ہیں۔ اصولاً اجنبی زبان میں تعلیم دینے سے قومی حرارت اور قوت ذہنی پر مخالف اثر پڑتا ہے۔ موجودہ کالج کا

نوجوان مجموعہ اضداد ہے، جو مغربی علوم و فنون اور تہذیب میں تکمیل کو نہیں پہنچتا اور اپنے گھر کے علوم و فنون اور تہذیب سے تعارف تک نہیں رکھتا یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ تضاد ذہنی کا شکار ہو رہے ہیں ۔

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

(اقبال)

اخبارات کسی قوم کی اصلاح و تعمیر کے لیے انتہائی طور پر مفید ہیں مغرب میں پریس کو "مقبوضۂ رابعہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اخبارات کا مدار رائے عامہ پر ہے، اور رائے عامہ کو تشکیل دینا اخبارات کا کام ہے، اخبارات عامۃ الناس کی ملکیت ہیں۔ بدقسمتی سے ہندوستانی مسلمانوں کے اخبارات شخصی جائداد ہیں، اور بہت حد تک مسلمانوں پہ ایک لعنت کی حیثیت سے مسلط ہو چکے ہیں۔ اسلامی پریس کا تغافل روایتی شہرت حاصل کر چکا ہے۔

ع
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

اتحادِ اسلامی

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے جو کہ انسانی فطرت کی پرورش اور دنیا کے ہر خطے میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ دنیا ایک وسیع ملک ہے جس کے ہر گوشے کے رہنے والے انسان ایک ہی فطرت کے مالک ہیں۔ انسان ہر جگہ انسان ہے۔ اسلام کائنات انسانی کو ایک کل تصور کرتا ہے (خلقکم من نفس واحدۃ) انسان کے تمام مسائل باہم متحد ہیں اسلام نظام انسانیت کے تحفظ کا علمبردار ہے۔ اس نقطۂ نگاہ سے مختلف شعوب و قبائل اور اقوام ایک ہی جسم انسانی ہے جس کی نگہداشت بحیثیت کل ہونی چاہیئے۔ جغرافیائی حدود، نسل اور رنگ کے امتیازات کوئی شے نہیں۔ لفظ قوم یا گروہ سے اسلام کے نزدیک محض تعارف مراد ہے، جیسا کہ خدائے لایزال کا ارشاد ہے۔ (جعلنٰکم شعوباً و قبائل لتعارفوا (ہم نے تمہیں مختلف شعب اور قبائل میں بانٹ دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو) ورنہ الناس

— کُلُّکُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ (مشکوٰۃ باب مفاخرت) تمام انسان آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی سے بنا تھا)

عربی و عجمی، ترک و مصری یا افغانی و ہندی میں کوئی فرق نہیں سب انسان ہیں، سب کا مرتبہ برابر اور سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ" ان سب میں معزز وہی ہے جو زیادہ متقی ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔

— غرض اسلام انسانی دنیا کے نظام کو ایک ذی حیات اخلاقی مشین کی حیثیت سے حرکت کرتا دیکھنا چاہتا ہے جس کے تمام پرزے اعضائے انسانی کی طرح ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے ایک آخری نتیجہ نظام عالم کے قیام و بقا کی صورت میں ظاہر کریں، تاکہ قدرت کے ارادے کی تکمیل ہو سکے۔ ظہور اسلام سے لے کر آج تک مسلمان تمام روئے زمین پر اس مقصد عالی کو سرانجام دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں، چنانچہ تاریخ عالم میں اسلام سب سے پہلا مذہب ہے جس نے اقوام عالم کو اخوت، مساوات اور حریت کے بلند اصولوں سے تعارف کرایا۔ آقا و بندہ کی قید مٹ گئی غلامی کے خلاف سب سے پہلے اسلام نے صدائے احتجاج بلند کی۔ دنیائے اسلام میں کوئی ذات پات نہیں، کالے گورے کی کوئی تمیز نہیں، یتامیٰ، بیوگان و مساکین اور غربا سے ہمدردی ایک اہم فرض قرار دیا گیا۔ پیغمبر اسلام (فداہ ابی و امی) اس حیثیت سے دنیا کے سب سے بڑے محسن ہیں کہ آپ کے توسط سے انسانی ہمدردی کا پیغام زمانے میں عام ہوا۔ ورنہ اس سے پیشتر لوگ

جہالت میں پھنسے ہوئے تھے۔ یونانی اور رومی غلامی کے ہاتھوں مرٹ رہے تھے۔ ہندو نارس بت پرستی اور آتش پرستی کی لعنت میں مقید تھے، اور نبی بشر میں ایک دوسرے سے مصنوعی تمیز روا رکھی جاتی تھی۔ گزشتہ ساڑھے تیرہ سو سال سے اسلام اس فرض اوّل یعنی انسانی ہمدردی کی تبلیغ کر رہا ہے آج بیسویں صدی میں جب کہ کہا جاتا ہے کہ زمانہ انتہائی ترقی پر ہے، دنیا نے اسلام سے بہتر کہیں اخوت انسانی کا نشان نہیں ملتا۔

بیسویں صدی کے اوائل میں یورپ مادہ پرستی اور جوع الارض کی ہوس کاریوں میں مبتلا ہوا جس کے جراثیم خاص قسم کے ماحول اور دور جدید کی ذہنیت میں پرورش پا چکے تھے سنہ ۱۹۱۰ء کے گرد و نواح میں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپی ممالک نے ایک دوسرے کے خلاف تغلب کی ٹھانی، اور جنگی تیاریاں شروع کر دی گئیں ۱۹۱۴ء میں حالات انتہا کو پہنچ چکے تھے جرمن نے جنگ کی ابتدا کی۔ اس عالمگیر جنگ میں تقریباً دنیا کی تمام قومیں شریک ہوئیں۔ لاتعداد نفوس میدان جنگ میں کام آئے، اور بیحد و حساب زر و مال کا نقصان ہوا ۱۹۱۸ء میں جنگ کا خاتمہ ہوا۔ اس کے بعد قوموں کی باہمی کشمکش نے نازک صورت اختیار کر لی۔ باہمی جنگ و جدل اور نفاق کے پیش نظر انسانی ترقی کا راز جغرافیائی حدود، نسلی امتیاز اور قومی شعائر کی پابندی میں مضمر سمجھا گیا۔ مسلح جنگ کے بجائے اقتصادی جنگ شروع ہوئی اور بیرونی اشیا پر محصول میں روز بروز اضافہ ہونے لگا مفتوحہ قوموں نے چند ہی سالوں میں اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو حاصل

کر لیا اور گزشتہ جنگ کی ہزیمت و ندامت کے داغ کو دھونے کیلیے
ازسرِنو جنگ کی انتقامی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ جنگ کے بعد روسیوں
نے اپنے وطن میں ایک نئی دنیا آباد کردی۔ مجلسی نظام بدل دیا گیا
سیاسی اداروں نے نئی صورت اختیار کر لی۔ روس کی تعمیری سرگرمیوں
نے جاپان اور دیگر ممالک کو جنگی قوت بڑھانے پر انگیخت کی۔ ایام جنگ
کے بعد چند ہی سالوں میں جرمنی اور اٹلی نے اپنے ممالک کو پھر سے سربلند
کیا، لیکن جنگ کے بعد تعمیری پروگراموں میں قومی عصبیت کو بے حد
دخل رہا۔ اس تعصب اور نفرت نے بنی نوعِ انسان کے لیے عجیب و غریب
مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ یورپ خاص طور پر افتراق و تشتت کی لعنت
میں گرفتار ہے۔ ان ممالک کی مثال مشین کے ان پرزوں کی سی ہے جن
کے عدم اشتراک سے مشین میں خلل آرہا ہو۔ نظامِ عالم ایک کل کی حیثیت
رکھتا ہے۔ اس کے اجزا مل کر کلی نتائج پیدا کرتے ہیں، ورنہ خود بخود بیکار
ہو جاتے ہیں۔ موجودہ دور کی قومیت پرستی نے انسانی تہذیب و تمدن
کو خطرے میں ڈال رکھا ہے، کیونکہ ہر ملک کے لوگ اپنی قوم کو دوسری
قوموں سے بزرگ و برتر مانتے ہیں۔ ہر قوم اپنے مذہب اور تہذیب کو
زیادہ شائستہ و رفیع اور اپنی قومی روایات کو دنیا میں لاثانی تصور کرتی
ہے۔ قومیں غیر ملکی زبانوں سے نفرت کرتی ہیں اجنبی ممالک کے لباس کو
حقارت کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔ مختصر یہ کہ نظریہ وطنیت یا قومیت
اپنے دائرہ عمل میں ایک حد سے آگے منفی اور تخریبی نتائج پیدا کرتا ہے۔

جن سے تعمیر عالم میں نقصان لازم آتا ہے۔

سلطنت عثمانیہ کے آخری ایام میں جب کہ یہ سلطنت رو بہ تنزل تھی مفکرین اسلام ملت اسلامیہ کی روز افزوں سیاسی اور اقتصادی بدحالی سے پریشان ہو کر مشکلات سے نجات ڈھونڈھنے لگے تو غور و فکر کے بعد مسلمانوں کی حیات کا تحفظ احیائے اخوت اسلامیہ میں پایا، چنانچہ انیسویں صدی کے اواخر میں عثمانی ترک اس نظریے کے علمبردار تھے، جو بعد میں اتحاد اسلامی یا پان اسلامزم کے نام سے مشہور ہوا جس کے معنی رشتۂ اخوت اسلامیہ کو استوار کرنا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک سلطان عبدالحمید اتحاد اسلامی کا سب سے پہلا موید تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ شخصی طور پر اتحاد اسلامی کی تحریک کا آغاز سید جمال الدین افغانی مرحوم سے ہوا، جو ہندوستان، افغانستان، ایران، ترکی، حجاز و مصر میں مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے جا بجا سفر کرتے رہے، انہوں نے مسلمانوں کو یورپ جدید کے خطرات سے متنبہ کیا، اور مختلف ممالک میں اسلامی روایات کے احیاء اور باہمی اتحاد کی تلقین کی تحریر و تقریر سے سفر ہند میں سید سالار جنگ اور دیگر مشاہیر وقت سے اپنے خیالات کی اشاعت کرتے رہے۔ سر سید اور اُن کے ہمعصروں کو تحریر سے ہندوستانی مسلمانوں کے خطرات سے متنبہ کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں امیر کابل کے ساتھ رہے۔ ناصر الدین شاہ قاچار اور ان کے وزراء کی بد انتظامی کے خلاف عوام کو صدائے احتجاج بلند کرنے کے لیے مجبور کیا۔ مصر میں جامع ازہر میں خود تعلیم دیتے رہے۔ مفتی محمد عبدہ مرحوم شیخ ازہر اور ان کی جماعت

سید مرحوم کی پروردہ تھی دوران قیام مصر میں سید نے بے شمار نوجوانوں کی تربیت کی جن میں سے اکثر اہل قلم اور سیاستدان مشہور ہوئے۔ ترکی میں سلطنت عثمانیہ کی پیچیدگیاں روز بروز بڑھ رہی تھیں۔ ترک خود کمزور تھے، سلطان عبدالحمید بیچارگی کے عالم میں اوقات بسر کر رہا تھا۔ سید مرحوم اولاً ترکی اور بعد ازاں بلاد فرنگ مثلاً لندن، پیرس اور برلن میں رہ کر ترکوں کی حمایت کرتے رہے۔ پیرس سے "عروۃ الوثقیٰ" اور لندن سے "ضیاء الخافقین" دو مشہور اخبار جاری کئے۔ کچھ عرصہ وہ حجاز میں ایک نئی سلطنت قائم کرنے کا خیال رکھتے تھے جو دنیائے اسلام میں نظریہ سیاست کی تکمیل کے لیے نمونہ تصور کی جاسکتی۔

سید جمال الدین افغانیؒ کے بعد عثمانی ترکوں کا نوجوان طبقہ جس کا نمائندہ انور پاشا تھا، اتحاد اسلامی پر زور دیتا رہا۔ چنانچہ انور پاشا ازسرنو قصر خلافت کو تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، اور دنیائے اسلام کو پھر سے رشتۂ جمعیت میں منسلک دیکھنے کا متمنی تھا۔ ہر چند اس کی نظروں میں توران (کہ وطن اجداد ترکان ست) زیادہ سمایا ہوا تھا۔ پھر بھی مراکو، مصر، عرب ایران، افغانستان اور ہندوستان سے اخوت اسلامیہ کے رشتہ سے بے خبر نہ تھا موجودہ صدی میں جب کہ تمام قومیں عجیب و غریب کشمکش میں مصروف ہیں دنیائے اسلام اپنے مسائل رکھتی ہے۔ مفکرین اسلام جہاں ممالک اسلامیہ کی انفرادی ترقی کے تہ دل سے متمنی ہیں۔ وہاں اس حقیقت کبریٰ سے غافل نہیں کہ نظام انسانیت کا تحفظ اخوت اسلامیہ

میں جمہوریت جس سے نہ صرف دنیا کی بہترین تہذیب یعنی اسلامیت کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے بلکہ نظام کائنات کو تخریبی قوت کے عمل سے بچایا جا سکتا ہے جمعیۃ الشبان مصر اخوۃ اسلامیہ کو زندہ رکھنے کے لیے قابل ستائش کوشش کر رہی ہے۔ مختلف ممالک اسلامیہ کے طلبہ جامع ازہر سے اس تحریک کی تبلیغ کے لیے باہر نکلتے ہیں۔ اگرچہ ترک مصطفےٰ کمال کے زیر قیادت ملکی تعمیر میں مصروف ہیں، مگر ترک اخوۃ اسلامیہ کے احیا سے غافل نہیں۔ ترک دنیائے اسلام کا سپاہی ہے اور آج تک ہندوستان، افغانستان، ایران، عرب اور مصر میں اس کی پاسبانی کے فرائض ادا کرتا رہا ہے، اگرچہ قورانی روایات کا احیا ترکوں کے لیے زیادہ جاذبیت رکھتا ہے، تاہم ترک اسلامی ہمدردی کی قیمت سے بے خبر نہیں، حجاز دنیائے اسلام کا مرکز ہے۔ اس لئے تحریک اتحاد اسلامی کی پرورش کے لیے بہترین فضا ہے۔

(افغانستان اور ایران موجودہ دور میں قربت اور واقفیت کی ضرورت کے پیش نظر اتحاد اسلامی کی طرف زیادہ ملتفت ہو رہے ہیں ہندوستان کے مسلمان مجلسی مشکلات کی وجہ سے تحریک اتحاد اسلامی میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ ان کی قسمت ہمسایہ قوموں کی قسمت سے وابستہ ہے مسلمان اپنے مذہب و تہذیب کا تحفظ چاہتے ہیں چونکہ ہندوستان میں بھی دوسرے ممالک کی طرح تحریک وطنیت روز بروز قوی ہو رہی ہے، اسلامی حلقوں میں محسوس کیا جا رہا ہے کہ کانگرس کا روز افزوں تغلب سیاسیات ہند کو مخدوش بنا رہا ہے۔ یہاں اقلیتوں کا مستقبل

محفوظ نہیں اس لیے مسلمان فطری طور پر ہندوستانی سیاسیات میں علیحدگی اختیار کر رہا ہے، اور تحریک اتحاد اسلامی کو بنظر استحسان دیکھتا ہے۔ انگلستان اور ہندوستان کے بعض صحیح الفکر مسلمان ہندوستانی سیاسیات میں اسلامی حقوق کے تحفظ سے مایوس ہو کر ہندوستان کے شمال مغرب میں پنجاب، کشمیر، سرحدی صوبہ، بلوچستان اور سندھ کے صوبوں پر مشتمل ایک خود مختار نظام حکومت کے قیام کے متمنی ہیں۔ اس نئی مملکت کو "پاکستان" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ نظریۂ پاکستان نوجوان طبقہ کے لیے خاص جاذبیت رکھتا ہے۔ یہ نظریہ جغرافیائی اور تاریخی نقطہ نگاہ سے بے بنیاد نہیں، اس کے امکانات یقیناً وسیع ہیں تاہم عملی طور پر یہ نظریہ تفصیل کا محتاج ہے۔ نظریہ پاکستان کی اندرونی اور بیرونی مخالفت، نظام حکومت، مسائل اقلیت، پاکستان کی مالی حالت کے کوائف غور طلب ہیں، بدقسمتی سے ہندوستانی مسلمان اپنے ماحول اور مشکلات کی وجہ سے پریشان ہے، کانگرس عوام میں اشتہار بازی پر توجہ مرکوز کر رہی ہے۔ مسلمانوں کے سیاسی رہنما صوفہ نشینوں کی جماعت ہیں، جو عوام میں کام کرنے سے جی چراتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی سیاسی تحریکات ناکام رہتی ہیں۔ ایک خاص وضع کے طبقہ نے ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی جس کی مستقبل صدارت کا بار گراں سر

محمد علی جناح اپنے نحیف کندھوں پر اٹھائے چلے آ رہے ہیں ان کے رفقائے کار کی سرگرمیاں بے ضرر قرار دادوں تک محدود ہیں۔ مسلمانان ہند کی سیاسی مجالس میں فعالیت مفقود ہے۔ خبطِ قیادت اور شخصیت پرستی کے عناصر غالب ہیں۔ اس لئے نوجوان طبقہ ان سے بدظن ہے، جس کی گرمیٔ خون مناسب فضا میں جولانی کا تقاضا کرتی ہے۔ بدقسمتی سے اسلامی حلقے ایسی پاکیزہ فضا پیش کرنے سے قاصر ہیں، اس لیے اکثر گرمیٔ خیال اور ذوقِ عمل رکھنے والے نوجوان ضمیر کی آواز کو لبیک کہتے ہوئے مجبوراً کانگرسی عقائد یا اشتراکیت کی طرف جھکتے ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کا نوجوان طبقہ اپنے ماحول سے بدظن ہے۔

آج سے پچاس سال بعد ہندوستانی سیاسیات کے متعلق وثوق سے پیشگوئی مشکل ہے، تاہم یہاں کی قوموں کی متفقہ قسمت کے فیصلہ تک ہمیں تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ پیش نظر رکھنا چاہیے اور روئے زمین پر ہمیں اخوت اسلامیہ کے پاکیزہ رشتہ کو مضبوط کرنے کے لیے عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَاِيَّاكُمْ وَالشِّعَابَ ۔۲

(تم پر لازم ہے کہ جماعت سے مت ہٹو اور فرقہ

بندی سے باز رہو) پر عمل کرنا چاہیے۔



قرآن اور احیائے اسلام

لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّ عُمْیَانًا۔

موجودہ دور میں جب کہ مسلمان اپنے زوال کو شدت سے محسوس کر رہے ہیں، اور روز افزوں سیاسی اور مجلسی مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان مشکلات کا حل کہاں ڈھونڈا جائے غور و فکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم خود اس مسئلہ کو واضح فرما گئے ہیں
تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ رَسُوْلِہٖ (میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان کو مضبوط پکڑے رہو گے کبھی نہیں بھکو گے۔ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے)۔

ظاہر ہے کہ کتاب اللہ و سنت رسول ہماری رہنمائی کے لیے کافی ہیں اسلامی زوال کے دو وجوہات ہو سکتے ہیں یا تو ہم لوگ کتاب اللہ سے بھٹک گئے ہیں، یا ہم نے ترک سنت اختیار کیا ہے۔ بہ تحقیق

کسی سے پنہاں نہیں کہ فی زمانناً لوگ کتاب اللہ کے صحیح مفہوم و معانی سے بہت حد تک دور ہیں، اور بہت حد تک سنت رسول کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتے۔ ضرورت ہے کہ قرآن کی روشنی میں احیائے اسلام کے بنیادی اصول کا مطالعہ کیا جائے۔

اسلام نبی نوع انسان کا مذہب عمومی ہے، جس کی بنیاد فطرت انسانی پر ہے۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (اے رسول تو ایک کا ہو کر دین حق کی طرف اپنا رخ کرلے، یہ اللہ کی اس بنائی ہوئی فطرت کے مطابق ہے، جس پر اللہ کریم نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی خلقت میں تبدل اور تغیر نہیں۔ یہ دین مستحکم ہے، لیکن اکثر آدمی نہیں سمجھتے)۔ 1

قرآن اسلامی تعلیمات کا حامل ہے، جو انسان کے لیے روئے زمین پر ہر ملک اور ہر آب و ہوا میں شمع راہ ہے۔ انسان کے وجود ذہنی و وجود خارجی، وجدانی اور جسمانی کیفیات و مطالبات کے ہر پہلو پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس دنیا اور آخرت کے مسائل کو حل کرتا ہے۔ سیاسی نقطۂ نگاہ سے قرآن ایک ایسا دستور العمل ہے جس پر عمل پیرا ہونے والی قومیں دولت حریت سے مالا مال رہتی ہیں، اور انہیں زنجیر غلامی سے پابند نہیں کیا جا سکتا۔

انسانی زندگی کی دو منزلیں ہیں۔ ایک یہ دنیا اور دوسری آخرت

دونوں منزلوں کے مسائل مختلف ہیں، مگر ایک دوسرے سے متصل اور نسبت خاص رکھتے ہیں۔ اس دنیا میں جسم انسانی کو مادی ضروریات لاحق رہتی ہیں اس لیے مادی ترقی کے بغیر اس دنیا کی کامیابی ناممکن ہے مادی احتیاج جسم انسانی کی پرورش میں مانع آتی ہے۔ یہی احتیاج جسمانی کمزوری اور اضمحلال روح پر منتج ہوتی ہے۔ روحانی اور مادی ترقی کا انحصار فکر و عمل پر ہے۔ دنیائے انسانی کی نقل و حرکت فکر معاش سے شروع ہوتی ہے اور اس کے بعد ذہنی اور جسمانی ضروریات کا سلسلہ طویل ہوتا جاتا ہے۔ انسانی ترقی میں اولاً ذہن ثانیاً جسم کی صحت کی ضرورت ہے۔ افراد کی طرح قوموں کے خصائص نفسانی اور افکار و معتقدات انہیں زوال و عروج کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ افکار و معتقدات کی صحیح تشکیل کے لیے صحیح تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔ محض تعلیم جہالت کو دور نہیں کر سکتی۔ ترقی کی راہ میں انسان علم حق کی روشنی میں اقدام کرتا ہے۔ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ، وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ انسان کو دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے ماحول سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ تسخیر عالم کے بغیر انسان فطری پرورش سے محروم رہتا ہے، اس لئے اشیائے عالم اور قوائے احوال میں انسان کو تفکر و تدبر اور مشاہدہ و تجربہ کی ضرورت پیدا ہوئی، تاکہ کارخانۂ قدرت کے اسرار و رموز سے آشنا ہو کر زندگی کو کامیاب بنائے۔ نظام عالم حقیقت پر مبنی ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا۔ طبقات انسانی اپنے ماحول اور کائنات

سے نتائج اخذ کیے بغیر نہیں گزر سکتے۔

یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ؕ

انسان کی کامیابی اس کی اپنی کوشش کی مرہونِ منت ہے

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی

عقل و دانش سے خواص اشیا معلوم کیے جا سکتے ہیں جن پر انسانی ارتقا کا قصرِ بلند تعمیر کیا جا سکتا ہے۔

۴ مَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ؕ

(جسے حکمت دی گئی ہے، اسے ایک بڑی نعمت دی گئی ہے)

ظاہر ہے کہ قرآن علم و حکمت کے حاصل کرنے کی تاکید کرتا ہے علم و حکمت مختلف صورتوں میں مختلف ناموں سے پکارے جاتے ہیں حکمت، فلسفہ، سائنس اور ان کی مختلف شاخیں انسانی فکر و معلومات کے دوسرے نام ہیں۔ اس دنیا اور آئندہ دنیا کے حقائق کے صحیح تصور کے لیے انسانی فکر کی نشوونما فرضِ انسانی ہے۔ روحانی اور مادی نجات علوم و فنون سے ہے۔ قرآن کسی زمانے میں علم و حکمت کو ممنوع قرار نہیں دیتا۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں قرآن کی صحیح تفاسیر نایاب ہیں، جو نہیں دورِ حاضر کی ضروریات کے مطابق قرآن کی تعلیم کو پیش کر سکیں، اسلام کی ابتدائی چند صدیوں کے بعد مفسرین بہت حد تک یونانی فلسفہ کے تار و پود میں الجھے رہے وہ لوگ ماحول کے زیرِ اثر مجبور بھی تھے، زیادہ تر فرقہ پرستی میں مشغول رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن میں صحیح تدبیر کیطرف

کماحقہ توجہ نہ کی گئی قرآن محض معادی تعلیم کا حامل نہیں، بلکہ اس دنیا کے مسائل کو بجا اہمیت دیتا ہے، اور دنیوی مشکلات کو حل کرنے کے لیے تسخیر عالم اور تحصیل علوم و فنون پر زور دیتا ہے۔

سلسلہ کائنات تین حصوں پر مشتمل ہے۔ جمادات، نباتات، حیوانات، انسانی علوم ان تین حصوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ کوئی ایک علم بذات خود کامل نہیں، ہر ایک علم اپنی اپنی جگہ جزہے، تمام علوم مل کر ایک کل کا حکم رکھتے ہیں۔ کائنات کے تینوں حصوں کے مطالعہ سے مختلف قسم کے علوم پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن کائنات پر شدت سے غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔

علم جمادات بے جان چیزوں سے واقفیت دلاتا ہے۔ مثلاً پتھر، کنکر، مٹی، تیل، کوئلہ، نمک، اور دھاتیں خاص قسم کی خصوصیات رکھتی ہیں، اور فضا کے اثرات سے ان میں عجیب و غریب تغیرات آتے رہتے ہیں۔

کیمیائی عمل اور اجزا کی آمیزش سے نئے مرکب پیدا ہوتے ہیں۔ انسان جمادات کی خاصیتیں معلوم کرنے سے عجیب و غریب فائدے حاصل کرتا ہے۔ قرآن نے جمادی معلومات کے لیے حسب ذیل تاکید کی ہے۔ اَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ (ہم نے لوہے کو نازل کیا، اس میں ایک شدید جوکھ ہے)۔

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيدَ بِكُمْ (اور اس نے زمین پر

بھاری پہاڑ رکھے، تاکہ زمین قائم رہے)

وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا

(ہم نے آسمان اور زمین اور ان چیزوں کو جو ان میں پیدا کی گئی ہیں بے کار نہیں بنایا)

نباتات کے پوشیدہ اسرار و خصائص جن پر علم طب اور علم الحیات کا بہت حد تک انحصار ہے، ذیل کی آیات میں واضح کیے گئے ہیں۔

ان اللہ فالق الحب والنوی یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی (اللہ دانے اور گٹھلی کا پھاڑنے والا ہے زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے)۔

ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منہ سکرا ورزقا حسنا ان فی ذالک لایۃ لقوم یعقلون (اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم لوگ نشہ کی چیز اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو بیشک اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی دلیل ہے جو عقل رکھتے ہیں۔

حیوانات اپنی علیحدہ دنیا رکھتے ہیں۔ ان کے عادات و خصائل رہائش اور ان کی نظام کائنات میں حیثیت گرانقدر معلومات ہیں، جن کا مجموعہ علم الحیوانات کہلاتا ہے۔ ذیل کی آیات میں اس علم کا سراغ ملتا ہے

افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت (کیا لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح پیدا کیا گیا)

اولم یروا الی الطیر فوقھم صافات ویقبضن ما یمسکھن

الا الرحمٰن (کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو پروں سے اڑتے ہیں کبھی پر پھیلا دیتے ہیں اور کبھی سکیڑ لیتے ہیں خدا ہی ان کو تھامے رکھتا ہے)، وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى اَرْبَعٍ، "اللہ کریم نے تمام چلنے پھرنے والے جانوروں کو پانی سے پیدا کیا۔ پھر ان میں سے بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں، بعض دو پاؤں پر بعض چار پر۔

علم بحر کو ذیل کی آیت میں روشن کیا۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ (اور کشتیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا، تاکہ اس کے حکم سے سمندر میں چلیں، اور نیز ندیاں اور دریا بھی تمہارے اختیار میں کر دے گئے۔

علم الریح کی طرف یوں اشارہ کیا گیا۔

وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (ہواؤں کا چلنا نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھدار ہیں)

ذیل کی آیت میں علم ہیئت کو واضح کیا گیا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا (خدا کی ذات بڑی بابرکت ہے جس نے آسمان میں برج بنائے اور چمکتا ہوا سورج اور چاند بھی بنایا)

ذیل کی آیت علم ریاضی کی آئینہ دار ہے۔
هُوَ الَّذِی جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ (جس نے آفتاب چمکتا ہوا بنایا۔ اور چاند کو روشن اور اس کی منزلیں ٹھیرائیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جانو)

علم النفس کے اسرار و رموز ذیل کی آیت سے واضح ہوتے ہیں۔
وَفِیْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (تم اپنے نفس پر کیوں غور نہیں کرتے)
لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ السّٰفِلِیْنَ (ہم نے انسان کو ایک احسن تقویم پر پیدا کیا، اور پھر وہ اپنے وقت پر انحطاط پاتا گیا)

علم طب کی حقیقت ذیل کی آیت میں منکشف کی گئی۔
فِیْهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ (شہد میں انسانوں کے واسطے شفا ہے)

علم تشریح کا عقدہ یوں کھولا گیا۔
هُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (جس نے تم سب کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا)۔

علم جغرافیہ کی تعلیم یوں دی گئی۔
قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ۔
زمین (دنیا) میں چلو پھرو اور دیکھو کہ خدا نے کس طرح اول بار مخلوق

پیدا کی۔

غرض کہ قرآن انسان کو حکمت، فلسفہ، سائنس اور دیگر علوم متعارفہ کے اکتساب کی تاکید کرتا ہے، اور انسان کو ماحول پہ غالب رہنے کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن نظامِ انسانی کو زندہ رکھنا چاہتا ہے، اور اس کے دو اہم پرزوں ذہن و جسم کے ارتقا کا قائل ہے۔ ان کے لئے مناسب نشو و نما اور فضا کی تشریح کرتا ہے تعلیم قرآنی دل و دماغ کو روشن کرتی ہے جمود و خمود سے بچنے اور شب و روز جدوجہد کو ثواب قرار دیتی ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں نے قرآن کے مفہوم پر صحیح معنوں میں عمل کیا۔ تھوڑے سے عرصے میں قرآن کی روشنی میں علوم کی بنیاد ڈالی اور دنیا بھر کے علوم کو اپنا لیا۔ اسلام کی روحانی قوت اور علوم و فنون کی مدد سے مادی تغلب حاصل کیا۔ سینکڑوں سلطنتیں قائم کیں بحر و بر کے حاکم بنے اور مشرق و مغرب کو آباد کیا کون نہیں جانتا کہ دور عباسیہ میں علوم و فنون کا کس قدر چرچا تھا۔ یونانی علوم گراں قدر زر و نقرہ کے عوض عربی زبان میں منتقل کئے گئے یونانی اور لاطینی زبانوں سے سینکڑوں کتابیں ترجمہ کی گئیں ہند و فارس و چین جیسے دور دراز ممالک میں تحصیل علوم کے لیے سفر اختیار کئے گئے آج ابن بطوطہ، البیرونی اور دیگر سیاحوں کے سفر نامے موجودہ تاریخ و جغرافیہ میں اضافہ کر رہے ہیں۔ سندھ، بلوچستان، ماوراء النہر، خراسان سسلی، افریقہ و اندلس میں جو کہ عربوں کی مشہور نو آبادیات تھیں بیشمار مکاتب قائم کئے گئے جہاں سے دور افتادہ ممالک میں علوم و فنون کی نشر و

اشاعت کی گئی، کاشغر، خوقند، نیشاپور، فتح پور سیکری، جونپور، گولکنڈہ، بیجاپور میں آج تک ان درسگاہوں کے نشان باقی ہیں۔

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

(مومن)

عربوں کے علمی ذوق نے یورپ کو ہسپانیہ میں فلسفہ، حکمت اور سائنس سے روشناس کرایا۔ یورپ نے ان علوم کا تجربہ و مشاہدہ کی روشنی میں ناقدانہ مطالعہ شروع کیا۔ ان علوم کی مدد سے مادی دنیا کی ترقی میں کمال کر دکھایا۔ مشرقی قومیں بالخصوص مسلمان فراوانی زر و تعیش کے نشہ میں گہری نیند سو گئے، اور علم و حکمت میں تنقید و تفحص چھوڑ بیٹھے۔ علوم و فنون کا ارتقا رک گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ذہنی جسمانی اور مادی تنزل کا بیک وقت آغاز ہوا۔ ان حالات میں جب کہ اسلامی دنیا اپنے زوال پر اس قدر متاسف ہے۔ اولین لمحات فرصت میں علوم قدیمہ از قسم منطق، فلسفہ و حکمت کی تنقیدی نظر سے تعبیر نو کی ضرورت ہے۔ بوسیدہ اور دقیانوسی عنصر کو جدید ایجادات و اکتشافات کی روشنی میں دور کرنا چاہیے، اور نئے معلومات کا اضافہ کرنا چاہیے۔

جہالت سب سے بڑی لعنت ہے۔ علم روشنی ہے۔ ظلمت میں انسان کا ذہن بیدار نہیں ہو سکتا۔ اس کے گرد اگرد بے شمار جراثیم پرورش پاتے رہتے ہیں۔ جاہل قومیں اپنے ماحول کے سامنے مضمحل و بے چارہ

رہتی ہیں۔ اپنے عیوب و نواقص سے آگاہ نہیں ہو سکتیں، اور نہ ہی چاہتی ہیں کہ انہیں حقیقت حال سے آگاہ کیا جائے۔ انسانی دل و دماغ علم و حکمت سے کمال کو پہنچتا ہے۔ بالخصوص علوم متعارفہ میں سے سائنس انسان کو بلند و ارفع منازل کی طرف رہنمائی کر رہی ہے۔ یورپ کا موجودہ ہنگامہ مادی ترقی کے دم سے ہے۔ یورپ کی تجارت، صنعت و حرفت نے ایک عالم کو مغلوب کر رکھا ہے۔

عہد رواں میں جنگ میں اسلحہ کے استعمال سے کہیں زیادہ خطرناک اقتصادی تدابیر ثابت ہو رہی ہیں۔ دنیائے اسلام کو مادی ترقی کے لیے وہ ذرائع از قسم سائنس و مشین اختیار کرنے چاہییں، جن سے عہد جدید کے ماحول کا مقابلہ کیا جا سکے۔ ابتدا میں سائنس کی پرورش مسلمانوں نے کی آج ہم لوگ اس سے بیگانہ ہیں۔ فلسفہ، حکمت اور سائنس کے لیے کوئی گھر نہیں، علوم و فنون ہر ملک سے حاصل کئے جا سکتے ہیں عقل و دانش بنی نوع انسان کی متفقہ جائیداد ہے۔ مشرق بالخصوص دنیائے اسلام کو مادی ترقی کے لیے مغربی ممالک سے استفادہ لازم ہے۔ ذہنی اور مجلسی ارتقا کے لیے اسلام کو خالصتہً اسلامی علوم بالخصوص قرآن میں تدبر و تفکر اور سنت پر عمل کرنا چاہیے۔ بالفاظ دیگر فرائض اسلامی یعنی شریعت پر کاربند ہونے کی اشد ضرورت ہے۔

قرآن خود سب سے بڑا سرچشمہ علوم ہے جس میں دنیا بھر کے راز پوشیدہ ہیں سب سے اول دنیائے اسلام کو قرآن میں تفحص کرنے کی ضرورت ہے

قرآن ہر ماحول اور زمانے کی مشکلات کا حل پیش کرتا ہے، مگر کسی جاہل شخص کو قرآن بھی کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ عوام قرآن کی گہرائیوں تک کم پہنچتے ہیں علماء کا فرض ہے۔ کہ وہ غور و فکر سے ملت اسلامیہ اور موجودہ ماحول کے مسائل مہمہ کا حل قرآن میں تلاش کریں اور اس کی نشر و اشاعت سے ملت اسلامیہ کو ارتقاء کی طرف مائل کریں کسی قوم کے احیاء کے معنی علم نفسیات کی روشنی میں قوم کی روح کو بیدار کرتا ہے۔ اس کے لئے ضرور کوئی نہ کوئی اسباب ہوں گے۔ ورنہ قوم اس انجام کو نہ پہنچتی۔ پھر ان اسباب کو معلوم کیا جائے۔ اس کے خلاف قوم کو اپنے عہد عروج کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم کرنا چاہیے۔ کہ وہ کون سے اسباب تھے جن کی وجہ سے قوم عروج کو پہنچی۔ اس تقابل میں ازمنۂ ماضی و حال کے اختلاف ماحول کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ قوم کی روح کو بیدار کرنے کے لیے اول انقلاب ذہنی کی ضرورت ہے۔ جب تک قوم کے دل و دماغ خوابیدہ ہیں۔ قوم قوائے عالم کے عمل سے بے خبر رہے گی تنازع للبقا یا روح زمان اس کے لیے کوئی مطلب نہیں رکھتے۔ قوت ماحول اسے ہانکتی ہے، اور اس کی مثال بالکل ایک ایسے کمزور اور خستہ بیل کی سی ہے، جسے مار پیٹ کر گاڑی کھینچنے پر مجبور کیا جائے افراد قوم اس قسم کے خواب میں غلطی سے اپنے آپ کو نفع و ضرر سے محفوظ سمجھتے ہیں، حالانکہ تخریبی قوا کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے، جس طرح اکثر افراد سوتے میں (یا بیہوشی کے عالم میں) دقت

نزع ایک ہچکی لے کر دم بخود ہو جاتے ہیں، اسی طرح قوموں کی شمع ذہن جہالت اور غفلت کے تند و تیز جھونکوں سے آناً فاناً بجھ جاتی ہے جس کے بعد چاروں طرف ظلمت چھا جاتی ہے جہاں ہاتھ پسارے کچھ نظر نہیں آتا۔

اس ظلمت سے نجات حاصل کرنے کے لیے شمع ذہن کو دوبارہ روشن کرنا چاہیے۔ بالخصوص قوم میں بلند پرواز مفکرین کی ضرورت ہے۔ جہازوں کے سفر کے لیے وسیع و عمیق و متواج سمندروں میں اونچے اونچے مینار تعمیر کیے جاتے ہیں، جہاں سے جہازوں کی رہنمائی کے لیے دور دور تک روشنی دکھائی دیتی ہے۔ قوم کے روشن ضمیر بلند فکر رہنما مینار کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی روشنی میں افراد مختلف دوائر میں راستہ دیکھتے ہیں۔

شمع ذہن کے روشن ہوتے ہی جس سے ہماری مراد احیائے فکر ہے، افکار و جذبات نشو و نما پانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور قوم میں ایک زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ قوم کو احساس ذات کے ساتھ اظہار ذات کا خیال پیدا ہوتا ہے۔

اور یہی احساس ارتقا پذیر ہو کر احساس مجلسی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جس پر قوم کی حیات نو

مسات کا انحصار ہے۔



تعمیر فکر

انسان کے علم کی بنیاد گردو نواح کے محسوسات اور اندرونی ادراک پر ہے۔ فلسفہ عقل و دانش کے دائرے میں واقعات کے اسباب و قوانین کے علم کا نام ہے۔ سائنس صحیح علم کے لیے تجربہ و مشاہدہ کو لازم قرار دیتی ہے۔ مذہب محسوسات سے آگے نکل کر اندرونی کیفیات سے متاثر ہو کر ادراک سے حقائق اُخروی تک پہنچتا ہے۔ سائنس کا دائرہ تحقیق مادیات تک محدود ہے۔ اس کے نزدیک ہر وہ حقیقت جو تجربہ و مشاہدہ یعنی حواس خمسہ کے دائرہ سے باہر ہے، واقعیت سے مبرّا ہے۔ سائنس کے اس نظریہ تحقیق نے ایک طویل عرصہ تک دائرہ علم میں پیچ در پیچ حقائق کو مبہم رکھا، کیونکہ مادی دنیا میں سائنس کے مبادیات واقعی صحیح ہیں، مگر علم کل مادی دنیا کے محسوسات تک محدود نہیں، بلکہ اس سے آگے فطری ادراک کا مرتبہ ہے جس کے تجربات و محسوسات سے آگے نکل کر ایک دوسری دنیا میں پہنچتے ہیں جس میں انسان پر اپنی ذات اور خدائے برتر کے باہمی اتصال و تعلق کی حقیقت کھلتی ہے، چونکہ سائنس کی بنیاد

مادی دنیا میں تجربہ و مشاہدہ پر ہے، فلسفہ اس سے چند قدم آگے رہتا ہے کیونکہ فلسفہ سائنس کے ذرائع علم سے آگے نظری ابحاث سے حقائق و اسرار عالم پر روشنی ڈالتا ہے۔ فلسفہ میں کہیں انتہائے علم نہیں، بلکہ فلسفیانہ نظریات کو بتدریج سائنس کی معلومات کی روشنی میں درست کیا جاتا ہے اور پھر سے آگے اسرار عالم کی تحقیق کی جاتی ہے۔ اس حیثیت سے فلسفہ سائنس کا رہنما ہے، کیونکہ نظریات سے سائنس تجربہ و مشاہدہ کی مدد سے حقیقت کو اصلی رنگ میں پاتی ہے یہ صحیح نہیں کہ سائنس کے دائرہ تحقیق سے آگے کوئی حقیقت نہیں۔ کیونکہ سائنس خود از روئے اصول نظریہ مادیت میں خود سر و خود بین ہے۔ اس کے نزدیک حقیقت مادی دنیا سے باہر معدوم ہے۔

سائنس کی اس تنگ نظری کے خلاف احتجاج کیا گیا لیکن مادہ پرست مذہبی مشاہدات و محسوسات کو حقیقت سے بعید جانتے رہے۔ حواس خمسہ کے غیر مکمل علم اور عقل و فکر کے نقائص پر یورپ کے مشہور فلسفیوں نے کتابیں لکھیں۔ سائنس کے نظریہ رنگ نے ثابت کر دیا کہ اجسام کو روشنی کی وجہ سے مختلف رنگوں میں دیکھا جاتا ہے، ورنہ اجسام بذات خود کوئی رنگ نہیں رکھتے، اور ان کی صحیح ہستی کا احساس نہیں ہوتا۔ اس نظریہ نے سائنس کے آئینہ علم کو اس حیثیت سے دھندلا ثابت کر دیا۔ کہ اشیائے عالم کی ظاہری شکل حقیقت نہیں اسکے خلاف سائنس اپنے مادی یقین میں اس قدر پختہ تھی کہ اس کے نزدیک روحانی حقائق کوئی مطلب نہ رکھتے تھے۔ مادی دنیا کو ایک غیر متحرک کالبد تصور کیا جاتا تھا، حتیٰ کہ جرمن حکیم آئن سٹائن نے ساخت

اشیا کا انحصار برق پر ثابت کیا۔ آئن سٹائن کے نزدیک مکان ایک حقیقت ہے لیکن مشاہدہ کرنے والے سے اضافی حیثیت رکھتا ہے جس چیز کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، وہ قابل تغیر ہے۔ اس کا جسم، شکل اور قد مشاہدہ کرنے والے کے مقام کی تبدیلی سے بدلتے رہتے ہیں۔

چونکہ سائنس مادی دائرہ کے باہر نہیں جا سکتی، اس لیے زندگی کے حقائق آخری مثلاً انسان کی حقیقت زندگی اور موت کے اسرار خدا کی ہستی اور دیگر مافوق الطبعی مسائل پوری طرح حل کرنے سے قاصر ہے۔ حقیقت میں طبعیات، علم الکیمیا، علم الحیات اور سائنس کے دیگر شعبے علم کل کے مختلف اجزا ہیں، اور ان میں سے کوئی جز بھی علم کل کا حکم نہیں رکھتا، بلکہ جزوی حقائق پیش کرتا ہے، اس لیے سائنس بھی حقائق کل کو واضح نہیں کرتی بلکہ علم کل کا ایک جز ہے۔ سائنس کا دائرہ علم محدود ہے اس سے آگے مذہب کا دائرہ ہے جو اس سے اصولاً علیحدہ ہے، اور جس کے ذرائع علم از قسم تجربہ و مشاہدہ ادراک و کیفیات قلبی پر مبنی ہیں۔ مذہبی تجربات و احساسات وجدانی کیفیات کی صورت میں ذریعہ علم بنتے ہیں، اور یہ مذہبی تجربات و احساس علم النفس کی رو سے خاص قیمت رکھتے ہیں جس طرح آنکھ، کان، ناک اور دیگر آلات حس سائنس کے نزدیک قابل اعتبار ہیں، انہی طرح مذہب میں ادراک و وجدان خاص قدر و قیمت رکھتے ہیں اور انہیں مذہبی علم کا صحیح ذریعہ قرار دیا جا سکتا ہے، دائرہ مذہب میں مسائل روح کو حل کیا جاتا ہے۔ سائنس مادی دنیا کے حقائق کو روشنی میں لاتی ہے۔ مذہب اور سائنس دونوں علم کے مختلف دائرے ہیں

میں تحقیق کرتے ہیں، اور ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہے۔ اشیا کی حقیقت آخری روحانی ہے، اس لئے روحانی مسائل اپنی اہمیت رکھتے ہیں، لیکن اشیا کی بیرونی شکل مادے سے مبرّا نہیں، اس لیے مادی مسائل کو یکسر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ کائنات ایک غیر متحرک کالبد نہیں، لیکن اس کیخلاف یہ کوئی مسلسل متحرک اور قابلِ تغیّر و تبدل شے نہیں جس کے لیے کوئی مستقل قاعدہ نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو علم کا امکان مفقود ہو جاتا۔ تغیر و استقلال کے باہمی تناسب میں خواہ ہمیں کس قدر مشکلات پیش آئیں، اس میں شک نہیں کہ ہم ان کے کسی شکل میں اتفاق کے بغیر کسی صحیح علم کی امید نہیں رکھ سکتے۔ اس لحاظ سے مذہبی علم کی انتہا سے مراد حقیقت مذہب کی مستقل اور اصولی خصوصیت ہے۔

مذہب کی ضرورت انسان کے فطری جذبہ پر مبنی ہے۔ اس دنیا اور آخرت کے حقائق کو سمجھنے اور زندگی کو صحیح طریقہ پر بسر کرنے کے لئے جس روشنی یا طریقہ کی ضرورت ہے، اس کا نام مذہب ہے۔ تہذیب انسانی میں مذہب ایک قدرتی عنصر ہے۔ مذہب کوئی ایجاد نہیں اور نہ ہی بنی نوعِ انسان نے مصیبت کے طور پر خود اسے اپنے سر لیا ہے، بلکہ انسان کی فطرت خود مذہب کا تقاضا رکھتی ہے۔ بقول برگساں مذہب کی بنا انسانی فطرت کے احساسات پر ہے، اور اس کے بغیر انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں افکار و اعمال کی درستی محال ہے۔ انسان نباتات اور جمادات سے ایک علیحدہ دنیا رکھتا ہے، اور اسے نظام کائنات کے اسرار و حقائق معلوم کرنے کی فطری

خواہش ہے۔ مادی اشیا کی تخریب اور ہمارے جسم کا عارضی قیام اس امر کا تقاضا کرتے ہیں کہ روح کو غیر جسدی زندگی میں محفوظ رکھا جائے، ورنہ یہ دنیا بے حقیقت نظر آتی ہے۔ دنیا کے بے پناہ طوفانِ مصائب میں جب انسان گھبرا جاتا ہے اور اس کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں رہتی، تو مذہب اس کا آخری سہارا ہے۔ غربت اور امارت زندگی کی دونوں حالتوں میں انسان مذہب سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ مذہب زندگی کا ترجمان ہے اور انسان کی ہر معاملہ میں رہنمائی کرتا ہے۔

نظام کائنات ایک حقیقت عظمیٰ ہے۔ اس سے انکار ناممکن ہے، وقت تسلسل کا نام ہے۔ مکان و زمان کے بغیر اشیا کا وجود ناممکن تھا۔ صبح و شام، روز و شب، وقت کے مختلف نقاط یا ان کے درمیانی طول کا نام ہیں۔ واقعات ایک طویل سلسلہ ہیں، جس کا احساس ہمیں تخیل سے ہوتا ہے۔ ماضی، حال اور مستقبل ایک ہی حقیقت کے مختلف نام ہیں۔ ماضی اس طویل سلسلہ کی اس کڑی کا نام ہے، جو گزر چکی ہے اور اب کالعدم ہے۔ حال وہ کڑی ہے جس کا احساس ہمیں اس وقت ہے۔ لہٰذا اس کی ہستی حقیقت ہے، مگر مستقبل سر دست لاشے ہے یہ وہ کڑی ہے جو آئندہ آئے گی، بلکہ اس کا وجود ہی نہیں کیونکہ واقعاتِ عالم اقتضائے قدرت کے ماتحت ایک تیز و تند بہاؤ میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ ماضی و حال اور مستقبل پہلے ہی سے موجود نہیں، بلکہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ قوائے عالم کا اقتضا واقعات کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی واقعیت کے تخیل سے ماضی، حال اور مستقبل پیدا ہوتے ہیں۔ نظام کائنات حقیقت ہے۔ انسان اس نظام میں خاص حیثیت رکھتا ہے۔ نفسِ انسان

احساس ذات اور ماحول کے احساسات و مشاہدات سے حقیقت عالم تک مذہب اور دیگر علوم کی مدد سے پہنچتا ہے، کیونکہ انسان کے علم کی بنیاد اپنی ذات پر ہے۔ انسان کے خارجی معلومات حقیقت میں ذہن انسانی کے تصورات و محسوسات کا مجموعہ ہیں یہ کہنا مشکل ہوگا کہ انسان گرد و نواح کے حالات کا علم حاصل نہیں کر سکتا یا اس کا علم صحیح نہیں اس صورت میں اس کے علم ذات کا امکان باقی نہیں رہتا۔ حواس خمسہ کے محسوسات خارجی اثرات کو ذہن تک پہنچاتے ہیں، مگر ان اثرات کی مقبولیت اور نتائج نکالنا ذہن کا کام ہے۔ لہٰذا انسانی علم واقعات عالم سے نتائج نکال کر حقیقت کو ڈھونڈتا ہے۔ چونکہ حقیقت مادی دائرہ تک محدود نہیں اس لیے بلند و ارفع و پوشیدہ حقائق وجدان اور کیفیات ذہن کی صحت سے کھلتے ہیں۔ نظام کائنات کے واقعات پر طویل غور و فکر کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نظام عالم ایک حقیقت کے ماتحت حرکت میں آتا ہے۔ اس کے لیے تمام حقائق اس حقیقت میں جا کر مرکوز ہوتے ہیں۔

اس حقیقت اُخرویٰ کی تشریح و توضیح انسان کے لیے مشکل ہے کیونکہ انسان خود اس حقیقت اُخرویٰ کے بحر بے پایاں کا قطرہ ہے۔ قطرہ ہر چند اپنی ذات اور اس کے ماحول سے آشنا ہو سکتا ہے۔ مگر بحر کی کلیت سے قطعاً بے خبر ہے کیونکہ قطرہ ایک جز ہے، اور بحر ایک کل ہے۔ لیکن قطرے کی جزویت اسے کلیت کی طرف رہنمائی کرتی ہے اسی طرح انسان نظام کائنات کا جز ہے۔ نظام کائنات کو حرکت میں لانے والی قدرت خدا ہے۔

انسان اپنی ذات سے تعارف حاصل کر سکتا ہے اور ذاتی تعارف سے جزوی حیثیت سے نظام کائنات کی کلیت کی طرف حقیقت کی راہ ڈھونڈھ سکتا ہے جس طرح قطرہ دریا میں مل کر اپنی فردیت کو کھونے کے بجائے عظیم تر ہستی سے متصل ہو کر زندگی کے وسیع تر دائرے میں حرکت کرتا ہے، اسی طرح انسان دائرہ ذات سے آگے بڑھ کر کائنات کے وسیع تر عالم یعنی روحانی دنیا میں تعارف حاصل کرتا ہے اور موت کے بعد حقیقت عظمیٰ سے متصل ہو کر دیگر صفات کل سے روشناس ہوتا ہے۔

قطرہ بحر سے مل کر وسیع تر ہستی سے ہم آغوش ہوتا ہے۔ انسان خدا کی بارگاہ میں دعا کے وقت ہمہ گیر حقیقت سے اتصال حاصل کرتا ہے۔

نظام کائنات کے مسائل حقائق محض اور لامحدود حلقہ فکر میں جہاں مکان و زمان کی بھی قید اٹھ جاتی ہے۔ عریاں نظر آسکتے ہیں لیکن انسان کے فکر اضافی کی روشنی میں ان کی تصویر مجاز سے ملبوس نظر آتی ہے، عالم کی ابتدا و انتہا حقیقت کبریٰ سے ہے۔ اس حقیقت کا ظہور خدائے بزرگ و برتر کی صفات ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ ھُوَ الظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ ہیں۔

انسانی جسم کی طرح روح انسان بھی ایک حقیقت ہے جس کا ثبوت انسان کے احساس ذات میں مضمر ہے۔ انسان اپنے جسم کا تحفظ اپنے فطری جذبہ تحفظِ ذات کے پیش نظر کرتا ہے۔ تحفظ ذات کے ہر پہلو میں خودی کا تصور نمایاں رہتا ہے۔ انسان کا ادراک تخیل، جذبات و محسوسات ایک آخری نقطہ پر مرکوز ہوتے ہیں، جہاں انسان اپنے آپ کو "میں" محسوس کرتا ہے اور "میں"

کے دائرے کے باہر ہر شے کو غیر قرار دیتا ہے اس کی ظاہری شکل جسم ہے مگر یہ جسم صرف لباس کی حقیقت رکھتا ہے، ذاتِ انسان کی بقا و استقلال کا ثبوت خود انسان کے اندر موجود ہے، مثلاً انسان مرنے کے بعد بقائے ذات کی خواہش اور یقین رکھتا ہے، کیونکہ فطری آرزو بلا وجہ نہیں ہو سکتی اگر روح انسان کے لیے آئندہ دنیا میں کوئی زندگی نہ ہو، تو یہ زندگی بے معنی ہو جاتی ہے، یہاں زندہ رہنا اور صبح و شام کی سرگردانی لاحاصل معلوم ہوتی ہے۔ تہذیب اسلامی ان افکار و معتقدات کے زیر اثر ارتقا پذیر ہوئی ہے جن کی بنیاد قرآن مجید پر تھی۔ قرآن انسان کو صفات ذاتِ مطلق کے ساتھ زیادہ وابستہ ہونے کی تلقین کرتا ہے، اظہار ذات انسان کو فاعل مختار قرار دیتا ہے اور روح انسان کی بقا کا قائل ہے) ان اصول عالیہ نے مسلمانوں کے دل و دماغ کو بلند رکھا، اور ہر جگہ ان میں ماحول کی تسخیر کی اہلیت پیدا کر دی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان بلندئ فکر اور علم اشیا میں ترقی کرتے رہے۔ چونکہ ہر زمانے میں علوم ترقی کرتے رہتے ہیں، اس لیے ان کی روشنی میں مذہب کی تشریح ضروری ہو جاتی ہے۔ ہر چند مذہب ایک حقیقت کبریٰ ہے جو ہر زمانے میں قائم رہتی ہے۔ مگر علم اشیا میں اضافہ ہونے سے ضرورت پیش آتی ہے کہ صحیح تنقید سے مذہب اور علوم میں ہم آہنگی پیدا کی جائے کیونکہ اسلامی تہذیب کی بنیاد مذہب پر ہے اس لیے اس قسم کی تنقیدی مناسبت کی ضرورت اور بھی شدید ہو جاتی ہے۔ گزشتہ زمانوں میں علماء دنیوی مسائل کو قرآن کی روشنی

میں حل کرتے رہے، چنانچہ یونانیوں کے فلسفہ اور دیگر مروجہ علوم کی مدد سے اس اہم فرض کو سرانجام دیا گیا۔ قرآن ایک حقیقت عظمیٰ ہے، جو ہر زمانے میں طبقات انسانی کی رہنمائی کرتی ہے۔ کوئی ایک علم قرآن کو سمجھنے کے لیے کافی نہیں، بلکہ تمام علوم مجموعی طور پر قرآن کے رموز و غوامض کو حل کرتے ہیں۔ اگر گزشتہ زمانے میں علوم قدیمہ کی روشنی میں قرآن کو سمجھنے کی ضرورت تھی، تو موجودہ زمانے میں علوم جدیدہ سے مدد لینی چاہیے۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ ہم ہر زمانے میں ضروریات زمانہ کے پیش نظر غور و فکر کرتے ہیں۔ اگر عہد حاضر کی معلومات اور ایجادات نے نظام کائنات کو زیادہ واضح کر دیا ہے تو ضروری ہے کہ ہم اپنے ماحول کے مسائل مہمہ کو موجودہ علوم کی مدد سے قرآن سے حل کریں۔ علوم و فنون کی روز افزوں ترقی میں انسانی دماغ گرد و نواح کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے، مگر چونکہ علوم دنیوی از قسم فلسفہ و سائنس علم کل کے اجزا ہیں، اس لیے ان علوم کی مدد سے انسان صحیح نتائج پر نہیں پہنچتا بلکہ حقیقت کو جزوی طور سے حاصل کرتا ہے، اس لیے انسانی نظریات کلی صحت سے محروم رہتے ہیں، اور اُن کا اثر خود انسان پر اور دیگر مذہبی مجلسی اور اقتصادی دوائر پر ناموافق پڑتا ہے۔ مذہبی علم بذات خود علم صحیح ہے، اور علوم مادی کے ساتھ مل کر علم کل کا حکم رکھتا ہے، اس لیے جب تک دوسرے علوم کے ساتھ مذہبی علم کا اجتماع نہ ہو انسانی افکار و معتقدات صحیح قرار نہیں دیے جا سکتے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ مادی علوم کی ترقی کے ساتھ مذہبی علم کو ترقی دی جائے۔ یہ صحیح ہے کہ مذہبی علم کے حقائق مستقل اور اصولی

ہیں، مگر ماحول کے تغیر اور معلومات کی وسعت سے اُن حقائق کو واضح طور پر سمجھنے کے لیے جدید تشریح کی ضرورت ہے، جدت تشریح سے مراد حقائق کو زیادہ واضح، قابل فہم اور آسان تر شکل میں پیش کرنا ہے جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ تہذیب اسلامی کی بنیاد مذہب پر ہے، اس لیے مسلمانوں کو اپنے تہذیب و تمدن کو محفوظ رکھنے کے لیے مذہب کو نئے علوم کی روشنی میں پیش کرنے کی دوسری قوموں سے کہیں زیادہ ضرورت ہے ورنہ تہذیب اسلامی خطرے میں پڑ جائے گی۔

جہالت ایک منفی اصطلاح ہے کوئی قوم جہالت سے اپنی تہذیب کو محفوظ نہیں رکھ سکتی، کیونکہ ذہن انسانی جماعت کا رہنما ہے۔ اس لیے جہالت اس کے لیے زہر کا حکم رکھتی ہے۔ انسانی افکار و معتقدات ذہن کی پرورش کا نتیجہ ہیں، اس لیے کسی قوم کی ترقی کے لیے علم سب سے ضروری طاقت ہے جیسا کہ علم کی تشریح کی جا چکی ہے، علم سے مراد علم کائنات ہے جس میں مذہب، فلسفہ، سائنس اور دیگر ہر قسم کے علوم شامل ہیں، تاکہ ذہن انسانی نظام عالم کا جائزہ لے کر صحیح اقدام کے قابل ہو سکے اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کو ہر پہلو سے کامیاب بنائے۔ نہ صرف اس دنیا میں فرائض سے سبکدوش ہو بلکہ آخرت کی بھی فکر کرے۔ اس زندگی کو آئندہ زندگی سے وابستہ خیال کرے، اور موجودہ مادی زندگی سے آئندہ روحانی زندگی کا قیاس کرے۔

جہالت ذہن کو پژمردہ کر دیتی ہے، اور اس کی قوت رہنمائی سلب

ہوجاتی ہے۔ اگر ذہن کو جڑ تصور کیا جائے، تو افکار و معتقدات تو نئی حیثیت رکھتے ہیں، اگر جڑ میں کوئی نقص آجائے اور وہ خوراک بہم پہنچانے سے معذور ہو جائے تو یقیناً سارا درخت چند دنوں میں مرجھا کر سوکھ جائے گا۔

جہالت کا سب سے زیادہ خوفناک اثر مادی ترقی پر پڑتا ہے، مادی علوم نہ جاننے کی وجہ سے قوم افلاس اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتی ہے کسی قوم کی اقتصادی بدحالی اُسے کسی مصرف کا نہیں چھوڑتی کیونکہ دنیوی ترقی کا انحصار زر و مال پر ہے۔ مذہب کے لیے جہالت بدترین نحوست ہے کیونکہ مذہب حقائق عظمیٰ اور زندگی کے نازک مسائل کو حل کرتا ہے، اس لیے مذہب کو سمجھنے کے لیے علم کی کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ جہالت مذہب کو خوفناک طور پر مسخ کر دیتی ہے اور اس کے صحیح فائدہ کے بجائے مذہب انسان کے لیے بلائے جان ہو جاتا ہے۔ مذہب انسان کے لیے ہے، نہ کہ انسان مذہب کے لیے۔ اسلام زندگی کی بنیاد حرکت اور ارتقا پر قرار دیتا ہے کیونکہ انسان کے روحانی، ذہنی اور مادی دائرہ میں زندگی حرکت سے ہے اور عدم حرکت سے موت طاری ہو جاتی ہے اسلام نظام انسانیت کا تحفظ چاہتا ہے۔

قدرت کے اس راز کو تقویت مسئلہ ارتقا سے بہم پہنچتی ہے۔ ارتقا کی بنیاد تغیر و تبدل پر ہے۔ زندگی کے ارتقا کے لیے حرکت ضروری ہے۔ گزشتہ چند صدیوں سے اسلامی دنیا میں ذہنی ارتقا کا عمل رک چکا ہے اس کے برخلاف یورپ ذہنی ترقی میں مصروف ہے۔ اسلام کے ذہنی جمود نے دل و دماغ کی نشو و نما کو روک دیا اور ساتھ ہی زندگی کا درخت بتدریج مردہ ہونا شروع ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دنیائے اسلام

پر مُردنی چھا گئی۔ اور زندگی کے آثار کافور ہو گئے، اس قسم کی ذہنی موت اور شاخ زندگی کو پژمردگی سے بچانے کیلیے اسلام میں مسئلہ اجتہاد خاص اہمیت رکھتا ہے۔

وجاھدوا فی سبیل اللہ

جہد کے لفظی معنی کوشش کرنے کے ہیں یعنی حق کو پانے کیلیے یا خدا کی راہ میں زندگی کو برقرار رکھنے کیلیے کوشش کی ضرورت ہے۔ جہد کے لفظ سے ظاہر ہے کہ حق تک پہنچنے یا زندگی کی بقا کیلیے کوشش کی ضرورت ہے، دراصل حق تک پہنچنا ہی زندگی کی بقا کا باعث ہے، لہٰذا اس قسم کی کوشش میں انسان کی زندگی کا راز مضمر ہے۔ اجتہاد کی بنا قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس پر ہے۔ مسئلہ اجتہاد کو قریباً سب ہی اسلامی فرقے تسلیم کرتے ہیں، اور اس کی ضرورت سے بے خبر نہیں، مگر اس سے مستقل طور پر فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنے زمانے میں اجتہاد کی ضرورت کو محسوس کیا مگر اجتہاد کے ہمہ گیر فوائد سے دنیائے اسلام یکسر محروم رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان ذہن کی بیداری یا احیائے فکر سے قاصر رہے۔ کیونکہ زندگی کی تکمیل یا کامیابی مسلسل کوشش اور حرکت پر مبنی ہے۔

دنیائے اسلام میں عدم اجتہاد کے خوفناک نتائج رونما ہوئے تمام علوم و فنون کی ترقی رُک گئی، جہاں تک کہ قرآن میں تفکر و تدبر کو بھی زوال آیا مسلمان مذہبی اور مجلسی مشکلات میں مبتلا ہو گئے۔ زندگی ایک بلائے بے درماں ہو کر رہ گئی۔

تعمیر مجلسی

مجلس یا سوسائٹی افراد کی اجتماعی حیثیت کا نام ہے۔ مجلسی نظام کی ترقی افراد کے باہمی رابطہ پر منحصر ہے۔ جب تک یہ قوت افراد کو باندھے رکھتی ہے، قومیں ترقی کرتی ہیں، اور جب یہ قوت مفقود ہو جاتی ہے، تو قومیں بھی رو بانحطاط ہو جاتی ہیں، اس قوت کے حصول کے لیے مقصد وحید کی ضرورت ہے۔ چونکہ حیات انسانی میں نباتات اور حیوانات کی طرح ایک گونہ اصول نشو و نما کو دخل ہے، اس لئے انسان پر تعمیر و تخریب ہر دو قسم کے عوامل کر سکتے ہیں۔ جیسے انسان ارتقا کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے ویسے ہی تنزل کی حالت میں تحت الثریٰ تک پہنچ جاتا ہے (خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ) روح انسانی وہ قوت فعالہ ہے جس کے زیر اثر جسم و ذہن ہر دو کام کرتے ہیں جیسے یہ قوت اصولی طور پر ماحول کے اثرات کو قبول کرتی ہے، اسی طرح جسم و ذہن ماحول کی طبعی قوتوں کے زیر اثر رہتے ہیں۔ روح انسانی بالطبع اظہار

چاہتی ہے یہ اظہار اولیں لمحات میں محرکات ذہنی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔
انسانی زندگی کی بنیاد محرکات اور خواہشات پر ہے۔ محرکات فطرت کے اندرونی تقاضا سے انسان کو حرکت میں لاتے ہیں۔ خواہشات شعور احتیاج سے پیدا ہوتی ہیں۔ ارادہ اس کی تکمیل چاہتا ہے۔ قصر زندگی کی تکمیل محرکات پر منحصر ہے۔ بچے اس لیے کھیلتے کودتے ہیں کہ انہیں کھیلنے کودنے میں فطری تسکین حاصل ہوتی ہے۔ ہر چند انہیں کھیل کود سے کوئی ایسا مقصد نہیں جس کی بنا شعور پر ہو۔ شور کرنا، چیخنا، چلانا ایک دوسرے کو مارنا پیٹنا بچوں کی زندگی ہے۔ اسی طرح جنگلی جانور مثلاً ہرن اور نیل گائے باقتضائے فطرت جنگل میں دوڑتے پھرتے ہیں۔ ایسا کرنے سے انہیں ایک گونہ راحت حاصل ہوتی ہے۔ فطرت اظہار ذات کے لئے اندرونی محرکات سے حیوانات کو ہانکتی ہے، اسی طرح انسان کو کمال تک پہنچنے کے لیے محرکات ذہنی کی نگہداشت ضروری ہے۔ ان محرکات کی صحیح پرورش سے فرد واحد کی طرح مجلس انسانی کی صحیح تعمیر ہوتی ہے۔ ان کی پرورش کے لیے مناسب فضا اور زمین کی ضرورت ہے ورنہ ان کے نحیف و پژمردہ ہونے کا احتمال ہے، جس کا نتیجہ مجلسی زوال کی صورت میں رونما ہوتا ہے۔ عقل کو انسان کی ترقی میں اس قدر دخل نہیں مضبوط شخصیتوں کے محرکات خاص طور پر قوی ہوتے ہیں، اس کے برعکس کمزور افراد کے محرکات ضعیف ہوتے ہیں یہی حال قوموں کا ہے۔
بقول رسل ہماری تمام سرگرمیاں محرکات ذہنی سے ہیں۔ حکومت جنگ اور جائداد کے متعلق عام شور و شر انہیں سے ہے۔ اس کے خلاف ان

سے علوم و فنون اور محبت کی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ یہ محرکات ضرورت سے آگے نکل کر بیماری بربادی کا باعث بھی ہو سکتے ہیں مثلاً محرکات حکومت و جنگ انتہائی شکل میں تخریبی قوا کا حکم رکھتے ہیں، مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ ان محرکات کو کلی طور پر دبا دیا جائے۔ یہ درست نہیں کیونکہ ان پر ہماری زندگی کا انحصار ہے۔ البتہ ان کا رخ تخریب و موت کی طرف سے زندگی اور قوت کی طرف بدل دینا چاہیے۔ محرکات ذہنی کو ضرورت سے زیادہ وقت تک دبانے یا روکنے سے انسان اپنی قوت کو کھو بیٹھتا ہے اور اس مقصد سے جس کے لیے وہ کوشش کرتا رہا ہے، متنفر ہو جاتا ہے۔ اگر قوم اس طرح زندگی بسر کرے، اور اندرونی تحریکات کی تکمیل کے لیے راستے کی مشکلات پر غالب آنے کی کوشش نہ کرے، تو قوم میں نقاہت کی علامات ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ انسانی زندگی کا عروج انہیں محرکات سے ہے۔ جب تک ان محرکات میں حرکت باقی ہے، قوم کی موت کے بجائے زندگی کی طرف رہنمائی کی جا سکتی ہے۔ مگر عدم حرکت موت ہے اور موت سے زندگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ افراد مجلس میں ایک حد تک آزادی چاہتے ہیں اگر جماعت اس قسم کی آزادی کو چھین لے تو افراد جماعت کے خلاف احتجاج کرتے ہیں اور اگر اس حد میں بھی نظم (نظام) خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ پابندی یا دہشت سے افراد تباہ و بربادی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں چنانچہ سیاسی قوانین کے خلاف احتجاج یا دیگر علامات سے جماعت کے جذبات کے پیش نظر قوانین کے مفید یا غیر مفید ہونے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

جب تک فطری تحریکات کو نہ روکا جائے، تو ہر قسم کی آفتوں کا مقابلہ

کیا جا سکتا ہے، کیونکہ فطری نشو و نما کی رکاوٹ سے ناقابل برداشت مصائب پیدا ہو جاتے ہیں۔ انسانی نشو و نما آزادی چاہتی ہے۔ ایک آدمی کو کسی دوسرے کے نمونہ پر نشو و نما نہیں دی جا سکتی۔ انسانی نشو و نما طبعی ماحول کے علاوہ افکار و معتقدات، دائرہ عمل اور جماعتی زندگی پر منحصر ہے۔ فرد جماعت کے ساتھ ناکام یا کامیاب ہوتا ہے۔ جماعت کی ناکامیاں فرد کی ناکامیاں ہیں۔ زوال پذیر قوم کی تعمیر مجلسی کا زریں اصول محرکات ذہنی کا احیا اور ان کی مناسب نشو و نما ہے۔

انسان کی صحیح تکمیل اظہار ذات میں ہے، اور یہ انسان کا فطری تقاضا ہے۔ گلاب کا پودا فطری اقتضا سے پھلتا پھولتا ہے۔ گلاب کے قلم کے اندر نشو و نما کی قوت موجود ہے۔ اس کی نشو و نما میں اس کی فطری نجات پنہاں ہے۔ انسان خواہ کسی ماحول میں ہو، حالات اُسے زندگی کی بقا اور آسائش کے لیے جدوجہد کی طرف مجبور کرتے ہیں۔ انسان دنیا میں زمانی وراثت کے ساتھ آتا ہے، اور آخری وقت تک ماحول کے تاثرات سے اپنی زندگی کی تکمیل میں مصروف رہتا ہے۔ زندگی کے آخری نتائج طویل واقعات کا نتیجہ ہیں، اگر وراثت کے لحاظ سے کوئی شخص سرمایہ دار ہے، یعنی اپنے والدین سے اس نے اچھا جسم، اچھے دل و دماغ کے ساتھ پاکیزہ افکار و معتقدات پائے ہیں تو مناسب ماحول اسے صحیح تکمیل تک پہنچا سکتا ہے۔ اگر ماحول مناسب نہ ہو تو وراثت کا تمام سرمایہ آہستہ آہستہ ضائع ہو جاتا ہے اسی طرح اگر کسی شخص کو والدین سے جسم و ذہن اور افکار

کا اچھا سرمایہ نہیں ملا، تو اچھا ماحول اس سرمایہ کے مطابق اس کو تکمیل تک پہنچا سکتا ہے۔ لیکن اگر موروثی سرمایہ قابل قدر نہ ہو تو غیر موافق ماحول میں اس کی نشوونما کے اتفاقات کم ہونے کی وجہ سے فرد کی حالت اور بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ ماحول کا اثر انسان کے جسم، دل، دماغ غرض یہ کہ ہر شے پر پڑتا ہے۔ چونکہ اظہار ذات کا جذبہ انسانی فطرت کا ابتدائی نقطہ ہے، اس لیے انسانی ترقی کا راز اظہار ذات میں ہے جس کے لیے ماحول کی ضرورت ہے اور اگر ماحول موافقت نہ کرے، تو مقابلہ کی ضرورت ہے کیونکہ اشیائے عالم بالخصوص نباتات وحیوانات بقائے ذات کا زیادہ احساس رکھتے ہیں اس لیے تنازع للبقا کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے ہر حیوان فطری طور پر حفظ ذات چاہتا ہے، اور مقابل قوتوں کی مدافعت کرتا ہے۔ قوی اور مضبوط اشیا کمزوروں پر غلبہ پا لیتی ہیں۔ کمزور اشیا فنا ہو جاتی ہیں یا آہستہ آہستہ موافقت کے لیے مجبور ہوتی ہیں۔ شیر ایک طاقتور جانور ہے، فطرت نے اسے خاص قوت اور خاص آلات شکار پنجے اور دانت وغیرہ دیے ہیں جس سے دوسرے کمزور جانوروں مثلاً ہرن، گائے وغیرہ کے گوشت پر گزارہ کرتا ہے۔ شیر مقابلہ میں مضبوط اور وحشی ہے۔ ہرن اور گائے کمزور اور بے چارہ ہیں اس لیے مقابلہ میں جان عزیز کھو بیٹھتے ہیں۔ بلند اور تناور درخت اور جھاڑیاں بغیر لکڑیوں کی زد میں کم آتے ہیں۔ نرم و نازک پودے دوسرے جانوروں کی خوراک بنتے ہیں، فاختہ کیڑوں پر گزر اوقات کرتی ہے شہباز کبوتر اور فاختہ وغیرہ کا شکار کرتا ہے۔ القصہ عالم میں ہر طرف قوت کا مقابلہ ہے زبردست

کو مواقفت کے سوا کوئی چارہ نہیں اور اشیا تنازع للبقا پر مجبور ہیں، کمزور خود بخود مٹتے رہتے ہیں۔ مضبوط یا قوی اشیاء بقا کی حقدار ہیں، بقائے اصلح کا شرف نظام عالم میں سخت رہنے پر ہے۔ گرد و نواح کی قوتیں کمزور اشیاء کو مغلوب رکھتی ہیں۔ آہستہ آہستہ یا وہ خود مٹ جاتی ہیں یا اس قسم کی سختی انہیں بقائے حیات کے لیے مجبور کرتی ہے۔

ساحل کو سمندر کی لہریں کھاتی رہتی ہیں، مگر کسی مضبوط چٹان پر ان کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ کھیتوں اور باغوں میں کمزور پودے سخت سردی اور گرمی میں مرجھا جاتے ہیں، مگر زیادہ مضبوط پودوں پر کچھ اثر نہیں ہوتا طبقات انسانی میں دولتمند، زمیندار اور طاقتور لوگ کمزور اور غریب آدمیوں سے خدمت لیتے ہیں۔ کمزور نسلیں غربت اور پریشانی میں مٹتی رہتی ہیں۔ قوی اور نبرد آزما نسلیں معرکۂ حیات میں غالب رہتی ہیں، الغرض زمانے میں ہر طرف مقابلہ ہے، اور اس کا نتیجہ بقائے اصلح یعنی سب سے زیادہ اہلیت رکھنے والے کو بقا ہے۔ "نظریہ بقائے اصلح" اشیا کو العزم للقوہ یعنی قوت کے لیے ارادہ رکھنے کی تلقین کرتا ہے، کیونکہ قوت کے بغیر زمانے کے مقابلہ میں شرکت محال ہے۔ چونکہ انجام کار قوت غالب آتی ہے (اگرچہ انسانی دائرے میں مختلف شکلیں اختیار کر لیتی ہے) اس لیے اشیا قوت کا قصد رکھتی ہیں۔ یورپ کے ایک مشہور فاضل کا قول ہے کہ انسان کے اندر موقع پر غصہ کا جذبہ بلند پیدا نہ ہونا انتہائی کمزوری ہے۔ عزم قوت کمزور قوموں کو جابر قوموں کے تغلب سے نجات دلاتا ہے، اور بقائے اصلح کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ بقائے عالم کی باہمی

کشمکش پر نظام عالم کا دار و مدار ہے۔ نباتات اور حیوانات جد و جہد میں زندہ رہتے ہیں، اور ایک دوسرے کو زندگی کے لیے مجبور کرتے ہیں، کیونکہ آسائش یا عافیت سے زندگی تنزل کی طرف رُخ کرتی ہے۔ آہستہ آہستہ زندگی کی نوبت موت تک پہنچ جاتی ہے۔ مرض اور موت سے بچنے کے لیے اشیا متحرک یا سرگرم کار رہتی ہیں۔

نباتات اور حیوانات ماحول میں بقا کے لیے جد و جہد کرتے ہیں۔ کمزور مخالف قوتوں کی تاب نہ لا کر فنا ہو جاتے ہیں اس کے خلاف مضبوط و توانا مقابلہ میں غالب آتے ہیں۔ اس طرح حیوانی دائرہ میں اپنے فطری کمال تک پہنچنے کے لیے ارتقا کا عمل جاری رہتا ہے، ناقابل، ضعیف اور غیر ضروری حیوانات خود بخود مٹتے رہتے ہیں۔ تندرست، قوی اور جن کی ضرورت ہے، کائنات میں باقی رہتے ہیں، ارتقا سے ہماری مراد یہ نہیں کہ اشیا اپنی ذات سے علیحدہ ہو کر دوسری ذات میں مدغم ہو جاتی ہیں یا فطری خودی کو ترک کر جاتی ہیں، بلکہ اس کے معنی کمال فطرت کو پہنچنا ہے۔

مختصر طور پر حیوانی زندگی کے جن چند اصول کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں انسانی دنیا میں بھی ان کا عمل بدستور ہے۔ طاقتور آدمی کمزور پر تغلب چاہتا ہے۔ طاقتور آدمی کسی کمزور کی عزت نہیں کرتا۔ قبائل ایک دوسرے پر غلبہ پانے کے لیے لڑتے ہیں۔ یہیں سے سلطنت کی ابتدا ہوتی ہے قوموں کا یہی حال ہے۔ طاقتور قومیں کمزور قوموں پر چڑھائی کرتی ہے اور ان پر فتح و نصرت پا کر انہیں تذر عافیت بناتی ہیں۔ تغلب انسانی

فطرت کا خاصہ ہے، مگر تغلب جنگ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا انسانی فطرت اپنے خاصہ کو ترک نہیں کر سکتی کیونکہ احول اور تنازع للبقا لازم و ملزوم ہیں اس لئے جنگ نظام انسانیت کی فطری ضرورت ہے۔ قومیں جنگ کے لئے ابتدائی محرکات سے آمادہ ہوتی ہیں جن کے مقاصد مختلف صورتوں میں سلطنت، دولت، صنعتی تغلب یا استعمار وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ عوام کے احساس کو جنگ میں بہت حد تک دخل ہے۔ بعض اوقات عوام جنگ کو جنگ کی خاطر پسند کرتے ہیں، مثلاً بچے باہمی جنگ وجدل میں فطری طور پر دلچسپی لیتے ہیں، جنگ میں خونریزی کا جواز کئی طرح سے ثابت کیا جاتا ہے۔ فطرت جنگ کو بہ نظر استحسان دیکھتی ہے۔ تاکہ تنازع للبقا کا عمل جاری رہے۔ بقائے اصلح کے لیے کمزور مٹ جائیں۔ خود انسان کے اندر جنگ کا جذبہ موجود ہے، جس کی تسکین ضروری ہے۔ گویا جسم انسانی سے وقتاً فوقتاً خون گراتے رہنا چاہیئے، مثل قحط و وبا اور دیگر آفات کی طرح نظام کائنات کی اصلاح و توازن کے لیے جنگ کی اہم ضرورت ہے۔

"وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ"

(آیۃ شریفہ)



خاتمہ

فلاکت بنی نوع انسان کی سب سے بڑی دشمن ہے، خوشحالی میں انسان صحیح ارتقا کو پہنچ سکتا ہے۔ مشرقی لوگوں کے نظری تخیل سے قومیں مضمحل ہو چکی ہیں، انسانی ترقی کا راز محنت و مشقت یعنی عملی زندگی میں ہے۔ جو لوگ مزدوری کرتے ہیں، وہ قابل عزت ہیں۔ انتہائی غربت اور بیچارگی انسان کو گناہ میں مبتلا رکھتی ہے، چنانچہ زیریں طبقہ انسانی بیکاری، اوباشی اور ارتکاب جرائم کی طرف مائل رہتا ہے۔ خوشحال لوگ عام طور پر بلند اور پاکیزہ صفات کے مالک ہوتے ہیں، اور صحیح معنوں میں خیرات کر سکتے ہیں۔ مفلوک اور پریشان حال افراد کو خیرات دیتے ہوئے بے شک ہم ان پر نوازش کرتے ہیں، اور خود نیکی کرتے ہیں، مگر ضرورت ہے کہ ملک کے اقتصادی نظام کو ترقی دی جائے اور ہر لحظہ غربت اور بدحالی کے امکانات کو کم کیا جائے۔ یہ سچ ہے کہ غربت ایک حد تک انسان کے لئے پاکیزگی اور بلندی تخیل اور دوسروں کے مصائب میں شریک ہونے

کا احساس دلاتی ہے، مگر فلاکت انتہائی شکل میں ایک لعنت ہے، اور اس کی نمائش ذہنی بددیانتی اور مجلسی جرم ہے۔ انسان ہرچند ایک حد تک فاعل مختار ہے، مگر مجلسی حیثیت سے افراد کے جرائم خاص مجلسی اصولوں کے پیش نظر ظہور میں آتے ہیں، جن کے انسداد کے لئے خاص قسم کے قوانین حکومت کی طرف سے نافذ کئے جاتے ہیں۔ ان کی بنیاد فلسفہ، اخلاق اور مفاد عامہ پر مبنی چاہیے۔ محض تخیل کسی قوم کی حالت کو نہیں بدل سکتا جب تک کہ اس تخیل کو عملی صورت میں مجلس کی تنظیم میں استعمال نہ کیا جائے جان سٹوار آرٹ مل اور روسو کے اقتصادی اور مجلسی نظریات قوموں کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے، مگر جب ان کو عملی صورت میں نظام مجلس کی اصلاح کے لیے قوانین کی صورت میں پیش کیا گیا، تو مجلسی نظام میں عجیب وغریب انقلاب برپا ہوا حقیقت کا آغاز عملی زندگی سے ہوتا ہے۔ نظام کائنات کو عمل سے بدلا جاسکتا ہے۔ نظری تخیل کی دور افتادہ باریکیاں کسی قوم کو غربت اور بدحالی سے نجات نہیں دلاسکتیں۔

انسانی تہذیب و تمدن کا انحصار عمل پر ہے کیا یہ امر واضح نہیں کہ آج دلایات ہند میں ہماری تہذیب کے آثار باقیہ میں چند مساجد اور مقبرے ہیں اور موجودہ دور کی تہذیب موٹر، ریل، ہوائی جہاز، ٹیلی فون اور ریڈیو کی شکل میں رونما ہورہی ہے۔ سائنس اور مشین نے بنی نوع انسان کی مشکلات کو بہت حد تک حل کر دیا ہے۔ قرون سابقہ کے بے پناہ مصائب از قسم وبا و قحط میں بہت حد تک تخفیف ہو چکی ہے۔

کسی قوم کی ترقی کا اہم مقصد قوم کی خوشحالی ہے۔ قوم کے رہنماؤں اور حکومت کے کارندوں کو سب سے پیشتر اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہیے۔

کسی قوم کی فنا و بقا کا راز زمانے کی عالمگیر قوتوں کے عمل پر ہے اگر ان قوتوں کا صحیح مطالعہ کر کے ان کا مقابلہ نہ کیا جائے اور بڑھتی قوتوں کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش نہ کی جائے، تو قوم مغلوب رہے گی۔ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ فطرت نے شاہباز کو تغلب کے لئے پنجے دئے ہیں اور کبوتر بیچارہ اس قیمتی اوزار سے محروم ہے، اس لئے شہباز سے جان بچانے کی فکر میں رہتا ہے۔ اس کے خلاف شہباز ہمیشہ شکار کو نکلتا ہے۔ یہی حال قوموں کا ہے۔ آج اقوام فرنگ کے عزائم بلند قوت، زر اور توسیع آبادیات پر مرکوز ہیں، اور افراد قوم کی اقتصادی اور مجلسی حالت بہتر بنائی جا رہی ہے۔ عوام مشرق جہالت اور غربت میں مبتلا ہیں۔ امریکہ کی آزادی اور اس کے نتائج سے متاثر ہو کر جاپان کو ہوش آیا۔ اس نے نصف صدی کے قلیل عرصے میں اپنے ملک کو مشرق کی ایک زبردست قوت بنا دیا ترکی ایک عرصہ تک خوابیدہ رہا، لیکن آخر وہ بھی خواب گراں سے جاگ اٹھا اور آج زمانے میں خاص سیاسی قوت اور شہرت کا مالک ہے۔

امواج بحر ساحل کو کھاتی رہتی ہیں۔ لیکن کسی سخت چٹان پر ان کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ کمزور قومیں طاقتور قوموں سے مغلوب ہو جاتی ہیں اور طاقتور اور توانا قومیں مدافعت سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتی ہیں۔

عہد حاضر میں قومیں اقتصادی تغلب کے لیے کوشش کر رہی ہیں۔ مشرق و مغرب کی منڈیوں میں ایک دوسرے سے مقابلہ ہو رہا ہے درآمد و برآمد پر عجیب و غریب شدت سے محصول لگائے جا رہے ہیں۔ سرمایہ اور محنت کی کشمکش روز بروز بڑھ رہی ہے۔ نظام عالم میں سرمایہ انسان کا بہترین اوزار ہے اسلئے کارخانۂ دنیا کی حرکت بہت حد تک سرمایہ داروں کے زیر اثر ہے۔ مزدور اور کسان اپنی محنت و مشقت کو محسوس کرتے ہوے سرمایہ داروں کے ناجائز تغلب کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔ صنعت و حرفت کے بنیادی فروغ کے پیش نظر سرمایہ، عمل اور مزدوروں کے تعلقات زیادہ اہمیت حاصل کر رہے ہیں۔ سرمایہ داری کے دائرے میں بھی اصول نشوونما کارفرما ہے کوئی قوم یکایک دولتمند نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے خاص ذہنیت اور لائحۂ عمل کی ضرورت ہے کسی قوم کی اقتصادی حالت سے اس کی اجتماعی ترقی کا اندازہ ہو سکتا ہے ہندوستانی مسلمان غریب ہے اور اس کی تمام سرگرمیاں بوجہ غربت ناکام رہتی ہیں۔ ہمارے سیاسی رہنما اس مسئلہ سے قطعاً غافل ہیں ہندوستانی مسلمانوں کا بیشتر حصہ مزدور ہے۔ ان میں کوئی تنظیم نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ جاہل ہیں، اور تعلیم یافتہ طبقہ ان کی طرف توجہ نہیں کرتا۔

ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے۔ زراعت اور غربت قریباً مترادف الفاظ ہیں۔ زراعت پیشہ قومیں صبح و شام کی روٹی حاصل کرنے کے بعد کسی کوشش کے نا قابل ہو جاتی ہیں۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ یہاں کے لوگ زراعت سے بآسانی قوت لایموت حاصل کرتے ہیں اس لیے صنعت و حرفت کی طرف توجہ نہیں کرتے، حالانکہ موجودہ

دور میں وہی قومیں سرمایہ دار اور غالب ہیں، جن کے ہاں صنعت و حرفت کی ترقی معراج کمال کو پہنچ چکی ہے۔ سرمایہ دار قومیں تجارتی مال بنا کر دوسرے ممالک میں بھیجتی ہیں، اور وہاں سے زر و سیم حاصل کرتی ہیں۔ غریب اور محتاج قومیں صرف بیرونی مال خریدنے پر قانع رہتی ہیں، اور دوسری قوموں سے سونا اور چاندی حاصل نہیں کر سکتیں۔ کسی ملک کا تجارتی طور پر دوسرے ممالک کا محتاج ہونا خطرے سے خالی نہیں۔ اس کے اثرات ایک وقت کے بعد ہلاکت آفریں ثابت ہوتے ہیں۔ فی زمانا قوموں کی ترقی کا دارومدار تجارت پر ہے۔ ہندوستانی مسلمان تجارتی نقطۂ نگاہ سے ہمسایہ قوموں کے مقابلہ میں کہیں پیچھے ہیں جس کے کئی وجوہات ہیں۔ خاص طور پر مسلمانوں کی غربت اس امر میں سدِ راہ ہے۔ علاوہ ازیں مسلمانوں میں تجارتی ذہنیت کی تربیت کی ضرورت ہے۔ صنعت و حرفت اور تجارت ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ مسلمان مزدوروں کا سوادِ اعظم صنعت و حرفت میں دلچسپی رکھتا ہے۔ آہنگری، نجاری، پارچہ بافی، کفش دوزی اور دیگر بے شمار پیشے بالخصوص مسلمانوں سے متعلق ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان پیشہ وروں کی تنظیم کی جائے۔ انہیں صحیح علم و عمل کی روشنی میں طریقہ ہائے کار سے واقفیت دلائی جائے، اور وسیع پیمانے پر تجارت کے سامان و ذرائع مہیا کئے جائیں۔

دورِ جدید کی تہذیب کا انحصار سائنس اور مشین پر ہے۔ موجودہ صنعتی انقلاب نے مشرق و مغرب میں انقلاب برپا کر رکھا ہے۔ ہم لوگ

اس کے اثرات سے غیر متأثر نہیں رہ سکتے۔ دنیا میں قوموں کی ترقی کا راز باہمی مقابلہ میں ہے ضرورت ہے کہ قومیں ماحول کی قوتوں اور زمانہ کے رجحانات سے آشنا رہیں۔ کوئی قوم دنیا میں گوشۂ عافیت اختیار نہیں کر سکتی۔ ہندوستانی مسلمان سائنس اور مشین کے نام سے بصد مشکل واقف ہے۔ ہمسایہ اقوام کہیں سے کہیں پہنچ چکی ہیں۔ ہم لوگ ابھی تک حقائق سے بھی آگاہ نہیں، اور نہ آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کسی فلسفی کا فکر و تدبر یا شاعر کے دلآویز نغمے کسی قوم کو زندہ نہیں رکھ سکتے جب تک عملی زندگی میں دلچسپی نہ لی جائے موجودہ دور میں کسی قوم کا سائنس اور مشین کے بغیر سربلند ہونا محض خواب ہے۔ ہم ایک عرصہ تک خوابیدہ رہے ہیں، اور ابھی تک ہمیں فریب تخیل سے نجات نہیں ملی۔ کیا ذہن انسانی کے لیے ہوائی جہاز کے ہنگامہ پرور شور اور پرواز میں کسی بڑے سے بڑے شاعر کی غزل سے زیادہ شعریت نہیں پائی جاتی۔

ادبیات و فنون کسی قوم کی ذہنیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں کسی زمانہ کی ترقی پسند قومیں خاص قسم کے افکار بلند کے زیر اثر ادبیات و فنون کی پرورش کرتی ہیں۔ ایسی قوموں کے افراد مشرق و مغرب پر حکومت کا تہیہ کرتے ہیں، اور قطبین اور ہمالہ پر قومی علم بلند کرنے کے لیے بے شمار جانیں قربان کر دیتے ہیں، اور انہیں عزائم بلند اور آثار زندگی کی کتابوں کے ذریعہ سے اشاعت کرتے ہیں۔ زوال پذیر قومیں فرسودہ تخیل سے ہیچ میرز اور تسفل انگیز نام نہاد ادبیات میں دلچسپی کا اظہار کرتی ہیں۔ موجودہ وقت میں یہ سوال دلچسپی سے خالی نہ

ہوگا کہ مسلمانانِ ہند کا لٹریچر کونسا ہے؟ اس کے جواب میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ کسی اہلِ نظر سے پنہاں نہیں۔ ہمارے گرد و نواح میں ایک خاص قسم کے شعر و شاعری نے جس قدر عوام کو مسحور کر رکھا ہے۔ اس سے ہمارے ذہنی زوال کا پتہ چلتا ہے۔ ہندوستان کے کسی بڑے شہر کے بازار میں عام مسلمانوں کیلیے جو لٹریچر مہیا کیا جاتا ہے، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہم کب تک ذہنی بیداری حاصل کر سکیں گے، اور آئندہ ہمارا کیا حشر ہوگا؟

ہندوستان کی سب سے بڑی لعنت جہالت ہے۔ مسلمان اس لعنت میں لبشدت تمام گرفتار ہیں، اور ان کی ذلت اور مسکنت کی وجہ جہالت ہی ہے۔ عوام رہنما کو سمجھنے سے قاصر ہیں، اور رہنما خود غرضی اور نفس پرستی کا شکار ہو رہے ہیں۔ اعلیٰ طبقہ سے لے کر ادنیٰ ترین طبقہ تک یک جہتی مفقود ہے۔ بالخصوص ہم لوگ وحدتِ فکر نہیں رکھتے جس کی وجہ بے معنی تعلیم اور ماحول ہے۔ نظامِ فطرت میں یگانگت ہے۔ آب و آتش و باد و خاک سب ایک دوسرے کے ممد و معاون ہیں۔

ع تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

کسی نتیجہ تک پہنچنے کے لئے اشیائے عالم اپنی ذات کو فنا کرتی رہتی ہیں۔ سمندر کا پانی بخارات بن کر اڑ جاتا ہے۔ کہیں بارش کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بارش سے کھیت سرسبز ہوتے ہیں، پہاڑوں پر برف کے دیو قامت تودے گرمی سے پگھل کر پانی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں پانی ندیاؤں میں بہ کر زمینوں کو سرسبز کرتا ہے۔ درجۂ حرارت بڑھ جانے

سے آندھی اور بارش کی توقع ہوتی ہے جس سے درجۂ حرارت کم ہو جاتا ہے الغرض نظام عالم میں یگانگت ہے اور کائنات کی حرکت کل ایک نتیجہ چاہتی ہے۔ اور پیدا کرتی ہے۔ اگر بنی نوع انسان میں وحدت فکر اور عملی سرگرمیاں میں یک جہتی موجود نہ ہو تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ پوچھا جا سکتا ہے کہ آج ہندوستانی مسلمانوں میں کہاں تک وحدتِ فکر اور اعمال میں ہم آہنگ یکجہتی ہے؟ ہمارے پریس اور پلیٹ فارم" میں کہاں تک اتحاد ہے؟ وہ کون لوگ ہیں جو "پریس اور پلیٹ فارم" پر قبضہ رکھتے ہیں۔ کیا یہ لوگ زبان اور قلم کی رو سے واقعی جاھدُ وافی سبیل اللہ پر عمل پیرا ہیں اور کیا حق کی راہ سے علیحدہ ہونے پر ان کی فطرت انہیں سرزنش کرتی ہے؟ واللہ اعلم بالصواب

اس سے کہیں زیادہ ضروری سوال یہ ہے کہ آیا ہم لوگ ہندوستان میں رہنا چاہتے ہیں یا نہیں؟ اگر یہاں رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں اُسے موجودہ حالت سے بہتر حالت میں چھوڑنا چاہئیے۔ زندگی کی دلہن ہر جگہ مبارزت طلب ہے اس کے لیے مصر و عرب ترکی و ایران یا افغانستان و ہند کی قید نہیں۔

ہمتِ فرہاد کی خواہاں ہے شیرینِ حیات
بے خبر تیشہ نہیں گر بیستون و سر تو ہے۔

انور

DATA ENTERED

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ

تعمیرِ نو

از
میرزا عبداللہ انور بیگ ایم اے ایڈووکیٹ
ہائی کورٹ لاہور

المنار اکادمی - لاہور